ماہنامہ

ضیائے حدیث

لاہور

علمی • ادبی • تحقیقی • اصلاحی مجلہ

دارالسلام

DARUSSALAM

دارالسلام کی تحقیقی کاوشوں کا آئینہ دار

چیف ایڈیٹر

عبدالمالک مجاہد

جلد:22 | شمارہ:10 | اکتوبر 2013ء | ذوالحجہ 1434ھ

جبری زیادتی کے روح فرسا واقعات

اور میڈیا پر ان کی تشہیر..... جائزہ اور اقدامات

امریکہ شام پر حملہ کردے گا؟



قربانی کی حقیقت

فلسفہ اور احکام ومسائل

بادام.....

قدرت کا عمدہ انعام



اسلام میں اقلیتوں کا تحفظ

سانحہ پشاور: ہمدرد لوگ اور مفاد پرست عناصر.....؟

ماہنامہ

ضیائے حدیث

علمی | ادبی | تحقیقی | اصلاحی مجلہ

لاہور

جلد:22/شمارہ10/اکتوبر2013ء/ذوالحجہ1434ھ

چیف ایڈیٹر
عبدالمالک مجاہد • بیاد مولانا حکیم عبدالمجید سوہدروی رحمہ اللہ • بانی مولانا حکیم محمد ادریس فاروقی رحمہ اللہ

وسعتِ داماں

تحقیق مسائل	نزول بارش اور رحم مادر کی خبریں	حافظ شبیر صدیق	14
کرنٹ افیئر	محبت کے نام پر خودکشیاں!	عبدالوارث ساجد	18
گوشۂ خواتین	آپ کا جیون ساتھی کیسا ہو؟	طارق جاوید عارفی	21
عالم اسلام	آذربائیجان	محسن فارانی	71
اداریہ	اسلام میں اقلیتوں کا تحفظ	چیف ایڈیٹر	7
انوارِ حدیث	جبری زیادتی کے سانحات	محمد نعمان فاروقی	9
تحقیق مسائل	نزول بارش اور رحمِ مادر کی قبل از وقت خبریں	حافظ شبیر صدیق	14
کرنٹ افیئر	محبت کے نام پر خودکشیاں	عبدالوارث ساجد	18
گوشۂ خواتین	آپ کا جیون ساتھی کیسا ہو؟	طارق جاوید عارفی	21
افتاء وارشاد	آپ کے مسائل اور ان کا حل	ابوالحسن حافظ عبدالخالق	27
اشاعت حدیث	غیر معروف مگر صحیح یا حسن احادیث	ابوانس	31
رپورٹ	ایمان کی کرنیں	ارشاد احمد ارشد	32
تعلیم و تربیت	کامیابی کا راز	حافظ صہیب نصیر گوندل	37
مکتوب الریاض	سعودی عرب میں امن کا راز	عبدالمالک مجاہد	41
طب و سائنس	بادام.....قدرت کا عمدہ انعام	ڈاکٹر طارق ریاض	46
مکتوب امریکہ	الحمدللہ خطرہ ٹل گیا!	حافظ عبدالوحید سوہدروی	48
احکام و مسائل	قربانی کی حقیقت، فلسفہ اور احکام و مسائل	قاری محمد اقبال عزیز	49
تعلیم و تعلم	دینی مدارس کی اہمیت	الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی	54
معاشیات	ریلیف، حکومتی خزانے یا عوام کو؟	حافظ عبدالسمیع	58
اصلاح معاشرہ	شادی بیاہ پر ہمارے طور اطوار	حافظ صلاح الدین یوسف	62
عالمی منظر نامہ	کیا امریکہ شام پر حملہ کرے گا؟	ابو ولید ملک	65
عالم اسلام	آذربائیجان	محسن فارانی	71
سخن گسترانہ	پاکستان کے ''معذور'' حکمران	خالد سیال	76

ایگزیکٹو ایڈیٹر حافظ عبدالوحید سوہدروی
ایڈیٹر محمد نعمان فاروقی
noumanfarooqi47@gmail.com

مجلس ادارت
مولانا ارشاد الحق اثری | پروفیسر محمد یحییٰ | حافظ عبدالستار حماد
حافظ صلاح الدین یوسف | حافظ شبیر صدیق | حافظ محمد حق نواز

مجلس مشاورت
چوہدری محمد یٰسین ظفر | ڈاکٹر محمد حماد لکھوی | مولانا محمد عبدالجبار
عکاشہ مجاہد | حبیب کبریا

مجلس نظامت
حافظ عبدالعظیم اسد | قمرالحمید فیصل | عبدالغفار مجاہد
شیخ ارشد علی | محمد اعظم یٰسین | حافظ محمد ندیم

آرٹ اینڈ ڈیزائن
طارق جاوید عارفی | حافظ عثمان یوسف

محمد صفت اللہ الٰہی (آرٹ ڈائریکٹر) جاوید اقبال (گرافک ڈیزائنر) حافظ عبدالماجد (کمپوزنگ)
خطاطی اکرام الحق | قانونی مشیر چوہدری محمد اکرم گوندل (ایڈووکیٹ سپریم کورٹ)

ضیائے حدیث جاری کروانے کے لیے

منی آرڈر، آن لائن یا ایزی پیسہ کے ذریعے سالانہ زرتعاون دفتر ارسال کریں اور حسب ذیل نمبرز میں سے کسی ایک پر اطلاع دیں اور اپنا مکمل ایڈریس لکھوائیں۔ رسالہ آپ کے نام جاری ہو جائے گا۔

- منی آرڈر اور خط کتابت کے لیے:

دفتر ماہنامہ ''ضیائے حدیث'' 36 لوئر مال، لاہور (پاکستان)

- آن لائن کروانے کے لیے:

A/C Title: Monthly Zia-e-hadith
A/C No: 0038805201002063
M.C.B Bank Ltd. Session Court Branch
Lahore. Br Code: 1317

- برائے ایزی پیسہ: موسیٰ علی: 0313 75 79 034
شناختی نمبر: 34101-4002586-9

سرکولیشن منیجر: محمد یوسف سلفی +92 300 70 71 823
اسسٹنٹ سرکولیشن منیجر: موسیٰ کلیم بلتستانی +92 313 75 79 034
Tel:+92 42 372 32 400 | Fax:+92 42 373 54 072
ziaehadith1@yahoo.com

ناشر محمد ادریس فاروقی مقام اشاعت 399/E اندرون موچی دروازہ، لاہور
پرنٹر انٹرنیشنل دارالسلام پرنٹنگ پریس، 36۔لوئر مال، لاہور

سعودی عرب 100 ریال
یورپی ممالک 30 یورو

قیمت فی شمارہ 35 روپے | سالانہ زرتعاون عام ڈاک صرف-/400 روپے، رجسٹری ڈاک-/800 روپے

اسلام میں اقلیتوں کا تحفظ

سانحۂ پشاور: ہمدرد لوگ اور مفاد پرست عناصر.....؟

22 ستمبر کا سورج طلوع ہوا تو کسی کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں تھا کہ یہ دن خون آشامی کی ایک دلخراش داستان رقم کر جائے گا۔ عیسائی حسب معمول اپنے گرجا گھروں میں اپنی دعائیہ سروسز میں مشغول تھے۔ اچانک دو خودکش بمبار، جن میں سے ایک کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ خاتون تھی، پشاور کے ایک گرجا گھر میں داخل ہوتے ہیں اور خود کو ہجوم کے درمیان دھماکے سے اڑا دیتے ہیں۔ اب تک کی اطلاع کے مطابق نوے سے زائد افراد لقمہ اجل بن چکے ہیں۔ اس واقعے کا سب سے دل فگار پہلو یہ ہے کہ چونتیس خواتین اور بہت سے بچے بھی اس حملے کی زد میں آ گئے۔ اس منظر نے ہر حساس پاکستانی کو انتہائی آزردہ کر دیا کہ جائے حادثہ پر بچوں کے فیڈر اور کھلونے بکھرے پڑے تھے۔ ان بچوں کا تو اس وار آن ٹیرر سے کوئی تعلق تھا نہ یہ بے چارے افغانستان پر امریکی حملے کے مؤید تھے۔ پھر کس جرم کی پاداش میں ان کے جسموں کے چیتھڑے اڑا دیے گئے۔ ان حملوں کے ماسٹر مائنڈ اور عملی جامہ پہنانے والے قیامت کے دن اپنے اس عمل کا کیسے جواز پیش کریں گے جب ان معصوم بچوں کے بارے میں پوچھا جائے گا: ﴿بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ﴾ ''انھیں کس جرم میں قتل کیا گیا ہے۔'' (التکویر 9:81) اسلام تو حالت جنگ میں بھی خواتین اور بچوں کے قتل کی اجازت نہیں دیتا۔ نبی کریم ﷺ جب کوئی لشکر روانہ فرماتے تو انھیں یہ تاکید کرتے: «وَلَا تَقْتُلُوا شَيْخًا فَانِيًا وَلَا طِفْلًا وَلَا صَغِيرًا وَلَا إِمْرَأَةً» ''کسی بوڑھے کو قتل نہ کرنا، کسی بچے کو قتل نہ کرنا اور نہ ہی کسی عورت کو قتل کرنا۔'' (سنن أبي داود: 2614) نبی کریم ﷺ نے غزوۂ حنین میں کسی عورت کی لاش دیکھی تو اس پر انتہائی ناپسندیدگی کا اظہار کیا، حالانکہ اسے کسی مسلمان نے دانستہ قتل نہیں کیا تھا بلکہ جب گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی تو یہ خاتون اس کی زد میں آ گئی تھی۔ یہ اس خاتون کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا رویہ تھا جو اپنے خاندان کے ساتھ میدان جنگ میں موجود تھی۔ وہ خواتین جو اپنے گھروں اور عبادت گاہوں میں ہوں ان کے متعلق اسلامی احکامات کا آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں۔

اسلام کبھی بھی اور کسی بھی حالت میں سویلین آبادی کو نشانہ بنانے کی اجازت نہیں دیتا۔ چاہے دشمنوں کا طرز عمل کچھ بھی ہو۔ وہ مسلمانوں کا کتنا بھی قتل عام کریں۔ جواب میں اسلام کسی ایسے شخص کو قتل کرنے کی اجازت نہیں دیتا جو ''حربی'' نہ ہو۔ جو مسلمانوں سے برسر پیکار نہ ہو۔ جو جنگ میں عملاً حصہ نہ لے رہا ہو۔ ساری تاریخ اسلام اس بات کی گواہ ہے، چاہے وہ جزیرہ عرب کی فتوحات ہوں، یا ساسانی اور رومن امپائر کے خلاف جنگیں ہوں، چاہے وہ افریقی ممالک میں لڑے گئے معرکے ہوں، یا اندلس، سنٹرل ایشیا اور برصغیر کی فتح ہو۔ ہر جگہ یہی اصول وضابطے رہے، وہ رسول اللہ ﷺ کا سنہری دور ہو یا خلفائے راشدین کا عہد سعادت ہو، بنوامیہ اور بنوعباس کا دور ہو یا عثمانی ترکوں کا عہد حکومت، مسلمانوں نے سختی سے اس اصول پر پہرہ دیا ہے۔

بیت المقدس اس مسئلے کی بڑی عمدہ مثال ہے۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور میں جب بیت المقدس فتح ہوا تو بلا امتیاز سب لوگوں کو امان دے دی گئی۔ جب صلیبیوں نے بیت المقدس فتح کیا تو ایسے انسانیت سوز مظالم ڈھائے کہ مورخین آج تک اس غیر انسانی رویے پر ماتم کناں ہے۔ جو بھی

سامنے آیا تہہ تیغ کر دیا گیا۔ بچوں کو چھوڑا گیا نہ خواتین کو۔ شیر خوار بچوں کو نیزوں اور شمشیروں میں پرو کر اپنی فتح کے ڈنکے بجائے گئے۔ حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر دیے گئے۔ کسی ایک خاتون کی بھی عصمت محفوظ نہ رہی۔ اتنا خون بہایا گیا کہ ان کے گھوڑوں کے سم خون میں ڈوب گئے۔ اس کے بعد جب صلاح الدین ایوبی نے دوبارہ بیت المقدس آزاد کروایا تو یہ داستان رنج والم اس کے سامنے تھی۔ انسانیت کش اور حیا سوز جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کی اولاد اس کے رحم وکرم پر تھی۔ صلاح الدین ایوبی نے کیا کیا؟ نہ صرف عام آبادی کو امان دی بلکہ صلیبی لشکر جب لڑائی سے دست کش ہو گیا تو ان کے خلاف بھی کوئی انتقامی کارروائی نہ کی اور اعلان کیا: جو یہاں رہنا چاہے خوشی سے رہ سکتا ہے، اس کی جان اور مال کی حفاظت ہماری ذمہ داری ہوگی۔ جو جانا چاہے آزادی سے جہاں چاہے جا سکتا ہے۔

پشاور کا سانحہ اس حوالے سے بھی لمحہ فکریہ ہے کہ اس میں اسلامی مملکت میں بسنے والی ایک اقلیت کو نشانہ بنایا گیا ہے، حالانکہ اسلام میں اقلیتوں کے تحفظ کے بڑے واضح احکام ہیں۔ اسلامی شریعت میں تو انھیں اقلیت بھی نہیں کہا جاتا بلکہ ذمی کا نام دیا گیا ہے، یعنی ان کی جانوں، مالوں اور عزتوں کی حفاظت کی ذمہ داری اسلامی مملکت کے ذمے ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا لَمْ يَرَحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَإِنَّ رِيحَهَا يُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ أَرْبَعِينَ عَامًا» ''جو شخص کسی ذمی کو قتل کرتا ہے وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پا سکے گا، حالانکہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی مسافت کی دوری سے بھی محسوس کی جا سکتی ہے۔'' (صحيح البخاري: 3166) رسول اللہ ﷺ نے نجران کے عیسائیوں کے ساتھ جو معاہدہ کیا اس میں واضح طور پر درج تھا:

''نجران اور اس کے ماتحت علاقوں کے لوگوں کے لیے اللہ کی پناہ اور محمد رسول اللہ ﷺ کی ذمہ داری ہے۔ ان کے مال محفوظ رہیں گے۔ انھیں مکمل مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔ ان کی عبادت گاہوں کی حفاظت کی جائے گی اور ان میں کوئی مداخلت نہیں کی جائے گی۔ جو کچھ ان کے پاس ہے چاہے وہ زیادہ ہو یا کم وہ انھی کے پاس رہے گا۔'' (دلائل النبوة: 389/5)

چودہ سو سالہ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ اقلیتوں کو جتنی عافیت اور آسودگی اسلامی حکومتوں میں ملی ہے کہیں نہیں ملی۔ بلکہ ذمیوں کے حقوق کا اس قدر خیال رکھا جاتا تھا کہ ان کی خواتین اور غلاموں پر بھی کوئی زیادتی نہیں ہونے دی جاتی تھی۔ صلیبی جنگوں میں عیسائی لشکر جو مسلمانوں کے خلاف نام نہاد چارج شیٹ پیش کرتے تھے اس میں ایک بات یہ بھی تھی کہ ان لوگوں نے ہماری عورتوں اور غلاموں کو خراب کر دیا ہے۔ ہم انھیں دبا کر رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ شکایات لے کر قاضیوں کے پاس پہنچ جاتے ہیں اور وہ ہمیں بلا کر ان کے حقوق گنوانے لگتے ہیں۔

معزز قارئین! اس سانحے کی ٹائمنگ پر غور کریں، اس مقصد کے لیے ایسے دن کا انتخاب کیا گیا جس دن پاکستان کے وزیر اعظم اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی سے خطاب کرنے کے لیے امریکہ روانہ ہو رہے تھے۔ ان دھماکوں کے ذریعے انھیں دباؤ میں لایا گیا کہ وہ اقوام عالم کے سامنے اپنا مؤقف کھل کر بیان نہ کر سکیں یا ڈرون حملوں پر کوئی جاندار سٹینڈ نہ لے سکیں۔ اس حملے کے ذمہ داران نہ صرف پاکستان کے شدید ترین دشمن ہیں بلکہ اسلام سے بھی انھیں کوئی سروکار نہیں ہے۔

اس سارے منظر نامے کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ایک گمراہ اقلیت جنھوں نے بظاہر ہیومن رائٹس اور این جی اوز کا چولا پہن رکھا ہے ان کے لیے یہ سانحہ تو ''بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا'' کے مترادف تھا۔ ان کی خوشی دیدنی تھی۔ وہ بڑے ایکسائیٹڈ نظر آ رہے تھے۔ بظاہر وہ سوگوار اور سنجیدہ نظر آنے کی اداکاری کر رہے تھے لیکن اہل نظر سے ان کے نارمل چہروں کے پیچھے چھپی شیطنت پوشیدہ نہیں تھی۔ انھوں نے اس واقعہ کو اسلام، توہین رسالت کے قانون اور مذاکرات کے خلاف زہر اگلنے کا ذریعہ بنا لیا۔ یہ لوگ نہیں چاہتے کہ پاکستان میں امن ہو۔ پاکستان کی معیشت پھلے پھولے۔ کیونکہ بحران (Crises) بہت سے لوگوں کے لیے مال بنانے کا ذریعہ بھی ہوتا ہے۔ یہ بھی انھی ابن الوقتوں میں سے ہیں۔ انھیں مختلف ممالک سے ملنے والے ڈونیشنز سے غرض ہے جو بحرانی صورت میں زیادہ ملتے ہیں۔

عبدالمالک مجاہد



جبری زیادتی کے سانحات اور ان کی میڈیا پر تشہیر

دلخراش واقعات کا سدباب اور عملی اقدامات

محمد نعمان فاروقی
شعبہ تحقیق وتالیف، دارالسلام

پیش گوئی یا پیشگی اطلاع کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اطلاع یا خبر دینے والا آپ کا خیرخواہ ہے اور آنے والے خطرات سے خبردار کرکے آپ کو محفوظ رکھنا چاہتا ہے۔ اگر آپ پیشگی اطلاع پر بھی محتاط نہیں رہتے یا کوئی حفاظتی اقدام نہیں کرتے تو پھر ممکن ہے آپ اس خطرے کی زد میں آجائیں۔ نبی ﷺ نے اِس دور کے متعلق بہت سی اطلاعات دی ہیں۔ ان میں سے ایک ہولناک علامت ''زنا'' کا عام ہوجانا ہے۔ فرمان نبوی ہے: «مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يَقِلَّ الْعِلْمُ وَيَظْهَرَ الْجَهْلُ، وَيُشْرَبَ الْخَمْرُ وَيَظْهَرَ الزِّنَا، وَتَكْثُرَ النِّسَاءُ وَيَقِلَّ الرِّجَالُ» ''علامات قیامت میں سے ہے کہ علم کم ہوجائے گا، جہالت چھاجائے گی، شراب پی جائے گی، زنا عام ہوگا، عورتیں زیادہ ہوں گی اور مرد کم ہوں گے۔'' (صحیح البخاري، حديث: 81,80)

حدیث مبارکہ میں بیان کردہ امور کا ایک دوسرے سے باہم ربط محسوس ہوتا ہے۔ وہ اس طرح کہ جب علم وحی کم ہوگا تو لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ دینی واخروی معاملات میں جہالت عام ہوگی۔ اور جب جرائم کی سنگینی کا علم اور اس کی سزا کا تصور ہی نہیں ہوگا تو شراب عام ہوگی، شراب تو بجائے خود بہت سی خرابیوں کا باعث ہے جن میں سے ایک زنا بھی ہے۔ اور جس معاشرے میں مردوں کی تعداد کم ہو اور عورتیں زیادہ ہوں اور ان کا کثرت ازدواج کے ذریعے شرعی حل نہ نکالا جائے تو خواہشات کی تکمیل کے لیے لامحالہ ناجائز اور حرام ذرائع اختیار کیے جائیں گے۔

عظیم پیغمبر ﷺ کی اس پیش گوئی کا امت نے کوئی اثر نہ لیا بلکہ زنا کو سپورٹ کیا اور اس کے مواقع فراہم کیے۔ نیم برہنہ لباس، خواتین میں خوشبو کا کثرت سے استعمال، بھڑکیلے اور چست لباس، مردوزن کا اختلاط، فحاشی پر مبنی فلمیں، بے ہودہ گانے، تشہیری مہم میں فحاشی پر مبنی جملے اور خواتین کی نامناسب حالت میں تصویریں، چھوٹی بچیوں کے ریڈی میڈ گارمنٹس میں عریانی، ٹائٹس، سلیولیس (بازوؤں کے بغیر) قمیصیں اور ناپاک و بے باک نظر کا بے محابا استعمال یہ سب کچھ ''زنا'' کو عام کرنے کے اسباب ہیں۔ جب اسباب اس قدر عام ہوجائیں تو ان اسباب سے پیدا ہونے والے نتائج کا عام ہوجانا بھی لازمی امر ہے۔

چھوٹی بچیوں سے زیادتی کے دل فگار سانحات پر دل رو رہے ہیں، خون کے آنسو جاری ہیں، لکھتے ہوئے ہاتھ کپکپا رہے ہیں، بولتے ہوئے زبان لڑکھڑا رہی ہے..... مگر اس کا حل کیا ہے؟ کیا صرف ان مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانا جو اس قسم کے سنگین جرائم میں ملوث ہیں اور بس؟ اگر یہی ایک حل ہوتا تو سروے کرلیں اب تک کتنے ایسے بدبخت عناصر کو سزا مل چکی ہے، انھیں نشانِ عبرت بنایا گیا ہے مگر ایک سے ایک بڑھ کر نت نئی نوعیت کی وارداتیں سامنے آجاتی ہیں۔ بلکہ ان دنوں جب وزیراعلیٰ پنجاب کی قیادت میں ایک روح فرسا سانحے پر اعلیٰ سطحی اجلاس ہورہے ہیں اور پورا میڈیا اس معاملے کا نوٹس لے رہا ہے، اس دوران بھی شقی القلب لوگ باز نہیں آرہے۔ اگرچہ اچانک ایک ہی نوعیت کے واقعات کے

منظرعام پر آنے سے شکوک و شبہات تو جنم لے رہے ہیں اور یہ واضح نہیں ہو رہا کہ کیا یہ ڈرامہ ہے یا حقیقت؟ بہرحال ایسے تمام عناصر کو کیفر کردار تک پہنچانے کے ساتھ ساتھ قومی سطح پر اس کا سدّ باب کرنے کے لیے بھی مؤثر قانون سازی ضروری ہے۔

زنا کاری کے سدباب کے لیے اقدامات

① مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے: اس قسم کے جرائم میں جو لوگ بھی ملوث ہوں انھیں قرار واقعی سزا دلوا کر نشان عبرت بنایا جائے۔

② شرعی سزا کا نفاذ کیا جائے: شادی شدہ مرد یا عورت زنا میں ملوث ہو تو اسلام میں اس کی سزا قتل نہیں بلکہ رجم ہے۔ اور رجم بھی کسی خاص طبقے کے ذریعے نہیں بلکہ عوام کے ہاتھوں ہونا چاہیے۔ رجم کا مطلب یہ ہے کہ زندہ انسان کو زمین میں دھنسا کر اس کا کچھ حصہ باہر رہنے دیا جائے اور پھر اس پر سنگباری کی جائے اور اسی حالت میں اس کی زندگی کا خاتمہ کیا جائے۔ رجم کی یہ سزا اگر ایک بھی مجرم کو دی جائے تو یقیناً اس کے اثرات دور دور تک نظر آئیں گے۔

آیئے عہد نبوی میں رجم کی سزا کے ایک واقعے کا مطالعہ کرتے ہیں: ایک عورت زنا کرنے کے بعد خود ہی پیغمبر ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی: میں نے زنا کیا ہے اور میں حمل سے ہوں۔ آپ ﷺ نے اس کے ولی کو بلایا اور اس سے فرمایا: اس سے اچھا سلوک کرنا پھر جب بچے کی ولادت ہو جائے تو اسے لے آنا۔ بچے کی پیدائش کے بعد وہ آئی تو آپ ﷺ نے اُسے بچے کو دودھ پلانے کی تاکید فرمائی، مدت رضاعت کے بعد وہ حاضر ہوئی تو اس بچے کے ہاتھ میں کوئی چیز بھی تھی جسے وہ کھا رہا تھا۔ آپ ﷺ نے وہ بچہ کسی شخص کے سپرد کر دیا اور اس عورت کے لیے گڑھا کھودنے کا حکم دیا۔ گڑھا کھودا گیا پھر اس خاتون کے کپڑے اچھی طرح اس پر باندھ دیے گئے اور گڑھے میں دبا کر اسے رجم کر دیا گیا۔ رجم کے موقع پر سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اس خاتون کے خون کے چھینٹے ان کے رخسار پر جا گرے تو انھوں نے اس کے بارے میں نازیبا الفاظ کہہ دیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''خالد! ایسی بات نہ کہو! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر کوئی بھتا خور ظالم بھی ایسی توبہ کرتا تو اسے بھی بخش دیا جاتا۔'' (سنن أبي داود، حديث: 4442,4440)

بہت ساری باتوں کے ساتھ ساتھ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زنا کی سزا رجم ہے۔ آپ ﷺ نے اس خاتون کو مہلت تو دی مگر سزا جو بنتی تھی وہی دی۔ اور یہ سزا کمرہ عدالت میں یا جیل میں نہیں بلکہ کھلی جگہوں پر ہو جیسا کہ عہد نبوی میں ایک شخص کو عیدگاہ میں رجم کیا گیا۔ (صحيح البخاري، حديث: 6816) اسی طرح ایک یہودی اور یہودن کو مسجد نبوی کے سامنے بلاط نامی ایک میدان میں رجم کیا گیا۔ (صحيح البخاري، حديث: 6819) قرآن مجید نے سزا کے موقع پر معقول حاضری کا حکم بھی دیا ہے: ''زنا کرنے والے مرد و عورت کے متعلق تمھیں اللہ کے دین کے (نفاذ کے) بارے میں ترس نہ آئے اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر یقین رکھتے ہو۔ اور ان دونوں کی سزا کے وقت مسلمانوں کا ایک گروہ موجود ہونا چاہیے۔'' (النور 2:24)

③ قوم کا اخلاقی معیار بلند کیا جائے: جاہلیت میں جوا، شراب اور زنا وغیرہ عام تھا لیکن وہی لوگ جب اسلام لائے تو ان جرائم سے بالکل کنارہ کش ہو گئے۔ بس اکا دکا واقعات سرزد ہوئے۔ ایسے لوگ خود ہی عدالت نبوی میں پیش ہو جاتے جیسا کہ خاتون کے مذکورہ واقعے سے واضح ہے۔ اسی طرح ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ سے ایسا فعل سرزد ہوا تو وہ خود بارگاہ نبوی میں حاضر ہو گئے۔ (صحيح البخاري، حديث: 6820)

سیدنا ابومرثد غنوی رضی اللہ عنہ زنجیروں میں جکڑے مسلمان قیدیوں کو اٹھا کر مکہ سے مدینہ لے جایا کرتے تھے۔ ایک رات اسی مہم کے دوران میں ان کی ملاقات عناق نامی ایک ایسی خاتون سے ہو گئی جو قبول اسلام سے پہلے ان کی محبوبہ تھی۔ اس نے انھیں دیکھ کر کہا: مرثد! خوش آمدید چلیے رہائش گاہ پر آج رات ہمارے ساتھ گزاریے! سیدنا ابومرثد رضی اللہ عنہ نے کہا: عناق! اللہ کے رسول ﷺ نے زنا کو حرام قرار دیا ہے۔ اسی دوران عناق نے شور مچا دیا کہ اے بستی والو! تمھارے قیدیوں کو مکہ سے مدینہ کی طرف لے کر جانے والا شخص یہ ہے!..... (سنن النسائي، حديث: 3230) یہ بہترین اخلاقی تربیت کا نتیجہ تھا کہ عزتوں کے سوداگر عزتوں

کے محافظ بن گئے اور خواہشات کے گھوڑے کو بے لگام چھوڑنے والے انھیں قابو میں رکھنے لگے۔ سیدنا ابومرثد غنوی رضی اللہ عنہ کے اس ایک جملے کے مقابلے میں ساری دنیا کے قانون ہیچ اور ناقابلِ توجہ ہیں۔ انھوں نے ہر قسم کے اختیار، سابقہ تعلقات اور ماحول کے باوجود ایک ہی جواب دیا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے زنا کو حرام قرار دیا ہے۔

قانون آخر کہاں تک بندوں کا تعاقب کرسکتا ہے؟ بس ایک ہی چیز کام آتی ہے اور وہ ہے اللہ پر ایمان اور اس کا خوف۔ اسی لیے آپ ﷺ نے ایک صحابی سے فرمایا تھا: تو جہاں کہیں بھی ہو! اللہ کا ڈر اپنے اندر رکھ۔ نبوی انقلاب کے منہج کی یہی اساس تھی۔

اخلاقی معیار قرآن مجید کی روشنی میں بھی بلند کیا جائے۔ قرآن مجید میں ہے: ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَسَآءَ سَبِيلًا﴾ ''زنا کے قریب نہ جاؤ کیونکہ وہ بے حیائی ہے اور راستے کے اعتبار سے برا ہے۔'' (بنی اسرآءیل 32:17) اس آیت میں زنا کے قریب جانے سے بھی روکا گیا ہے۔ زنا ایک ہی لمحے میں نہیں ہوجاتا۔ اس سے پہلے دونوں طرف سے اور کبھی ایک طرف سے لمبی چوڑی منصوبہ بندی ہوتی ہے۔ کبھی یہ منصوبہ بندی شروع میں سچی محبت کے دلفریب دعوے سے پھوٹتی ہے مگر اکثر اوقات نتیجہ بدکاری کی صورت میں نکلتا ہے۔ اور محبت کا یہ سفر آنکھوں اور کانوں کے ناجائز استعمال سے شروع ہوتا ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں مرد و خواتین کو علیحدہ علیحدہ اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور شرمگاہوں کی حفاظت کریں، چنانچہ جو بھی اپنی عزت کی حفاظت چاہتا ہے اسے نگاہ کی حفاظت رکھنا ہوگی ۔

دل سوز سے خالی ہے نگاہ پاک نہیں ہے
پھر اس میں عجب کیا کہ تو بے باک نہیں ہے

اسی طرح اجنبی مرد اور اجنبی عورت کا کسی جگہ تنہائی میں اکٹھے ہونا، خواہ وہ تعلیم و تعلم کے اعلیٰ مقاصد ہی کے ضمن میں ہو، خطرے سے خالی نہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے بڑی سختی سے منع فرمایا ہے۔ ہم جو اخبارات میں پڑھتے ہیں کہ فلاں کے ساتھ اجتماعی زیادتی ہوئی۔ اس میں زیادہ تر وارداتیں اس نوعیت کی ہوتی ہیں کہ ایک گینگ کسی جاذب نظر لڑکے سے دوستی کرکے اس کی آڑ میں کسی محبت کی ماری لڑکی تک راستہ بنالیتے ہیں.....اور کچھ ہی دنوں بعد ہمیں یہ خبر نظر آتی ہے کہ فلاں کے ساتھ گینگ ریپ ہوا ہے۔

قرآن مجید کی مذکورہ آیت میں اسے ''برا راستہ'' قرار دیا گیا ہے۔ قرآن مجید اپنے نرالے انداز سے ہمیں یہ سمجھا رہا ہے کہ ایک چیز جب تمھیں اچھے، آسان ترین اور صحیح راستے سے حاصل ہوسکتی ہے تو تم اس کے لیے برا راستہ کیوں اختیار کرتے ہو؟ وہ اچھا اور صحیح راستہ صرف اور صرف مسنون نکاح ہے۔ ان دونوں راستوں میں بہت نمایاں فرق ہے۔ کیا غلط راستے پر چل کر اپنی خواہشات کی تکمیل کرنے والے اور مسنون نکاح کے ذریعے اپنی خواہشات کی تکمیل کرنے والے برابر ہوسکتے ہیں؟

زنا کاری کے فروغ میں ایک اہم کردار نکاح میں تاخیر بھی ہے۔ جوانی کی عمر سٹیٹس کی تلاش میں گزرتی جاتی ہے اور منہ زور خواہشات کے سامنے انسان بے بس ہوجاتا ہے اور وقت ٹالنے کے لیے کوئی غلط راہ اختیار کرلیتا ہے۔

④ اللہ کا خوف دل میں بٹھایا جائے: انفرادی اور معاشرتی جرائم کی روک تھام کے لیے قانون سازی کے ساتھ ساتھ لوگوں کے اندر خوف الٰہی پیدا کرنے کا بھی اہتمام کرنا چاہیے۔ لوگوں کے اندر یہ شعور بیدار کیا جائے کہ اللہ انھیں دیکھ رہا ہے۔ غار والے تین افراد کا قصہ صحیح بخاری و مسلم کی روایات میں ہے کہ غار میں پھنسے تین لوگوں نے اپنی اپنی اس نیکی کو وسیلہ بنایا جو انھوں نے رضائے الٰہی کے لیے کی تھی۔ ان تینوں میں سے ایک شخص نے جس نیک عمل کو وسیلے کے طور پر پیش کیا وہ ہمارے موضوع سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ تیسرا شخص اپنی چچازاد بہن کو پسند کرتا تھا۔ آخرکار سو دینار کے عوض باہمی رضامندی سے یہ شخص اپنی کزن کے بالکل قریب جا بیٹھنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس کی کزن نے اس وقت ایک جملہ کہا کہ اللہ سے ڈر جاؤ اور اس بندھن کو ناحق نہ کھولو۔ وہ شخص کہتا ہے: میں وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا اور سو دینار بھی چھوڑ دیے۔ پھر غار میں اس عمل کا وسیلہ دے کر کہنے لگا: اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ کام تیرے خوف کے باعث چھوڑا ہے تو (غار کے منہ پر آئے

ہوئے) اس پتھر کو ہم سے ہٹا دے، اسی دوران وہ پتھر اللہ نے ہٹا دیا اور وہ غار سے باہر نکل آئے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 3465)

رسول اللہ ﷺ نے یہ واقعہ سنا کر لوگوں کو ترغیب دی ہے کہ وہ اللہ کا ڈر اپنے دل میں رکھیں۔

اسی طرح کا ایک واقعہ علامہ دمشقی نے ''مطالع البدور'' میں نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک ضعیف العمر شخص گہرے گندمی رنگ کے تھے اور ان کے جوان بیٹے سرخ و سفید اور بڑے خوبصورت تھے۔ امیر قاہرہ شجاع الدین شرزی نے ان سے اس کی وجہ دریافت کی تو وہ کہنے لگے کہ اس سوال سے میری ایک داستان وابستہ ہے۔ ہوا یوں کہ جب صلیبیوں نے شام پر قبضہ کرلیا۔ انھی دنوں میں نے دکان لی اور کپڑے کا کاروبار شروع کردیا۔ وہاں ایک فرنگی عورت آئی جو کسی صلیبی افسر کی بیوی تھی۔ میں اس پر فریفتہ ہوگیا۔ میں نے اسے سستے داموں کپڑا فروخت کیا وہ دوبارہ آئی۔ میں نے اس کے ساتھ آنے والی بڑھیا کو کچھ دے کر اسے اپنے گھر لانے کا معاملہ طے کرلیا۔ وہ دونوں آگئیں۔ اس دوران مجھ پر اللہ کا خوف طاری ہوا اور میں اپنے آپ سے کہنے لگا کہ اللہ سے حیا کر۔ اللہ تجھے دیکھ رہا ہے تو نافرمانی کرتے ہوئے ایک عورت سے کتنے گھناؤنے گناہ کا ارتکاب کرنا چاہتا ہے؟ پھر آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور اللہ کو گواہ بنا کر کہا کہ تیرے عذاب سے بچنے کے لیے اور تجھ سے حیا کی خاطر میں اسے چھوڑ رہا ہوں۔

کچھ دن گزرے کہ وہ عورت پھر دکان سے گزری تو شیطان نے پھر وسوسہ ڈالا کہ یہ کس قدر خوبصورت عورت تو اس سے غفلت برت رہا ہے؟ کیا تو فضیل بن عیاض، جنید بغدادی یا حسن بصری ہے؟ .....خیر کئی دفعہ ایسا معاملہ ہوا اور ہر دفعہ میں نے اسے اللہ کے ڈر سے چھوڑ دیا.....اسی دوران میں مسلمانوں اور عیسائیوں کا جنگ بندی کا معاہدہ ختم ہوا اور میں شام سے چلتا بنا لیکن اس کی حسرت میرے دل میں باقی رہی۔ پھر میں نے لونڈیوں کی خرید و فروخت شروع کردی۔ تین سال کا عرصہ بیت گیا پھر حطین کا واقعہ پیش آیا اور مسلمانوں نے عیسائیوں سے علاقے واپس لے لیے۔ مجھ سے ناصر بادشاہ کے لیے ایک لونڈی کا سودا کیا گیا۔ رقم میں سے دس دینار کم تھے۔ بادشاہ نے مجھے 10 دینار کے عوض لونڈیوں میں سے کوئی لونڈی منتخب کرنے کا اختیار دے دیا۔ پھر کیا ہوا انھی لونڈیوں میں وہی فرنگی خاتون بھی تھی جس کی حسرت میرے دل میں کروٹیں لے رہی تھی، میں نے فٹافٹ اسے لیا.....اسے لے کر آیا تو اس سے پوچھا: مجھے پہچانتی ہو؟ وہ بولی نہیں.....میں نے یاد دلایا تو اسے یاد آگیا..... اور وہ مسلمان ہوگئی۔ یہ عمر رسیدہ شخص یہ واقعہ سنا کر کہنے لگے کہ پھر میری اس سے شادی ہوئی اور یہ بچے اسی سے ہیں۔ سچ ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ کا خوف اپنے دل میں رکھتا ہے اللہ اس کے لیے کوئی نہ کوئی راہ نکال دیتا ہے۔

⑤ جنت میں خواہشات کی تکمیل کا تصور بٹھایا جائے: اس دنیا میں انسان کی بہت سی خواہشیں ادھوری رہ جاتی ہیں یا انسان کی خواہش کے مطابق پوری نہیں ہوتیں لیکن جنت میں ہر خواہش کی تکمیل چاہت سے بڑھ کر ہوگی۔ جس اللہ نے دنیا میں حسین سے حسین تر لوگ بنائے ہیں، اس نے بطورِ انعام ملنے والی جنت میں کیا اس بات کا خیال نہ رکھا ہوگا۔ وہ انسانوں کی فطرت اور چاہت سے خوب واقف ہے کیونکہ اسی نے اسے پیدا کیا ہے۔ جنت کی حور و قصور اور دنیا کے حسن و جمال کا کوئی موازنہ ہی نہیں۔ حدیث ہے: ''اگر جنتی عورتوں میں سے کسی کی جھلک زمین پر پڑے تو آسمان و زمین کے درمیان جو کچھ ہے وہ سب روشن ہوجائے۔ اور اس کی اوڑھنی دنیا اور جو کچھ اس میں ہے، اس سے بھی بہتر ہے۔''

(صحيح البخاري، حديث: 6199)

⑥ آخرت کے عذاب سے ڈرایا جائے: کیا کوئی شخص یہ پسند کرے گا کہ وہ برہنہ مرد و خواتین کے ساتھ برہنہ حالت میں ہو اور یہ سب تنور جیسے ایک گڑھے میں ہوں۔ وہ گڑھا اوپر سے تنگ اور نیچے سے کھلا ہو اور نیچے آگ بھڑک رہی ہو اور شعلوں کے ساتھ یہ بھی اُچھل اُچھل کر اوپر آرہے ہوں اور جب یہ نکلنے کے قریب ہوں آگ بجھ جائے تو یہ دوبارہ اسی گڑھے میں جا گریں۔ جی ہاں! حدیث کی سب سے معتبر کتاب صحیح بخاری میں بدکار مرد و خواتین کی یہی سزا نبی ﷺ نے بتائی ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 1386) اللہ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔



چند معاشرتی ناہمواریوں سے احتیاط

* نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کا اپنے گھروں سے دور بلکہ دوسرے شہروں میں یا اپنے گھروں میں اپنے والدین یا سرپرستوں کی نگرانی کے بغیر رہنا۔
* بلا مواخذہ رابطے کے لیے ہر قسم کی سہولت ہر وقت انتہائی سستے داموں میسر ہونا۔
* شادی شدہ افراد کا لمبے لمبے عرصے کے لیے گھروں سے باہر ملازمت یا دوسرے مشاغل کے لیے زندگی گزارنا۔ ظاہر ہے جس کے سامنے اپنے بیوی بچے اور بچیاں ہوں وہ دوسروں کی بچیوں اور بہنوں کے حوالے سے ازحد محتاط ہوگا۔ ایسی کارروائیوں میں عموماً گھروں سے دور رہنے والے لوگ شامل ہوتے ہیں۔ حالیہ کیس میں بھی کوئی ایسا ہی شخص ملوث لگتا ہے۔
* اللہ نے مرد کو چار شادیوں کی اجازت دی ہے اور یہ مرد کی فطرت میں داخل ہے۔ ہمارے ہاں دوسری شادی کرنے کو انتہائی نامناسب سمجھا جاتا ہے اور مرد حضرات اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے ناجائز راستے اختیار کر لیتے ہیں۔

ایسی دلدوز خبروں کی میڈیا پر تشہیر!!

زیادتی اور بدکاری کے کسی کیس کو میڈیا پر تصویر اور نام کے ساتھ یا بغیر تصویر اور نام کے کسی صورت نشر نہیں کرنا چاہیے۔ اس مشورے کی بنیاد تو قرآن مجید کی وہ آیات ہیں جو سورۂ نور کے آغاز میں ہیں۔ مومنوں کی عظیم ماں عائشہ رضی اللہ عنہا کی عفت و پاکدامنی کی قرآنی تصدیق کے ضمن میں یہ آیت بھی آئی ہے: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ﴾ ''بے شک وہ لوگ جو چاہتے ہیں کہ اہل ایمان میں بے حیائی پھیلے ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔'' (النور 19:24) اس آیت کے سیاق و سباق میں دیکھا جائے تو یہی بات سمجھ آتی ہے کہ بے حیائی اور بدکاری کی خبر کو عام کرنا بھی بے حیائی کا فروغ ہے کیونکہ اگر یہاں تہمت لگانے والوں کے لیے عذاب کی وعید ہوتی تو ''افك'' یا ''بهتان'' جیسے الفاظ آنے چاہئیں تھے مگر اس کے مقابلے میں ''الفاحِشة'' کا لفظ اوپر بیان کردہ مفہوم کو اُجاگر کرتا ہے۔
* میڈیا پر ایسے دل شکن سانحات کی خبر پھیلنے سے بیمار ذہن منفی اثر بھی لے سکتا ہے۔ اس کے سامنے یہ بات آسکتی ہے کہ ایسا بھی ممکن ہے۔
* جن گھر والوں کے ساتھ ایسا سانحہ پیش آتا ہے، اللہ سب کو محفوظ رکھے، وہ بے چارے پہلے ہی بڑے شرمندہ ہوتے ہیں اوپر سے میڈیا پر ان کی تشہیر بھی یقیناً اذیت کا باعث ہے۔ اس سلسلے میں ایک حدیث بھی پڑھتے چلیں۔ فرمان نبوی ہے: ''اللہ کے بندوں کو اذیت دو نہ انھیں عار دلاؤ اور نہ ان کے عیوب ٹٹولو!! ہاں! جس نے اپنے مسلمان بھائی کے عیب کو تلاش کیا اللہ اس کے عیب سامنے لائے گا حتی کہ اسے اس کے گھر ہی میں رسوا کر دے گا۔'' (مسند أحمد: 279/5)
* ایسی بچی، لڑکی یا خاتون جس کے ساتھ ایسا واقعہ پیش آیا اور اس کی اس قدر تشہیر ہوگئی تو وہ زندگی بھر معاشرے کا سامنا کیسے کرے گی؟ وہ جہاں بھی جائے گی اس کو یہ احساس ستاتا رہے گا کہ میڈیا پر میرا تذکرہ اس قدر ہوا ہے اب تو سب لوگ مجھے پہچانتے ہوں گے اب میں کیسے سامنا کروں حتی کہ رشتے کے سلسلے میں بھی دشواری پیش آسکتی ہے۔ زندہ درگور تو وہ پہلے ہی ہو چکی ہوتی ہے۔ اب میڈیا اس سے کیا چاہتا ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوگا اور ہونا بھی چاہیے کہ اگر اس خبر کو نشر نہیں کیا جاتا تو اسے انصاف کیسے ملے گا۔ اس ضمن میں عرض ہے کہ بہت سے ایسے مقدمات ہوتے ہیں جن میں شامل لوگوں کو میڈیا کی تشہیر کے بغیر ہی انصاف مل جاتا ہے۔ اور اگر خبر نشر ہی کرنی ہے تو اندر کھاتے پوری تحقیق کر کے متاثرہ خاتون اور اس کے عزیز و اقارب کے ناموں اور تصویروں کے بغیر اسے شائع کیا جائے۔ اس کو بالکل اس انداز سے لیا جائے کہ اللہ نہ کرے میڈیا کے کسی فرد کے ساتھ ایسا سانحہ پیش آئے تو کیا وہ شخص لوگوں کو منہ دکھانے کے قابل رہے گا۔ وہ خود چاہے گا کہ اس کے سانحے کی خبر اس کی چار دیواری سے بھی باہر نہ نکلے۔

دراصل میڈیا کو اپنا پیٹ بھرنے کے لیے خبریں درکار ہوتی ہیں۔ میڈیا اپنے اندر کی خبریں بھی تو ''پی'' ہی جاتا ہے۔ جیسے اپنے اندر کی باتیں بڑی حکمت عملی سے نشر کی جاتی ہیں اسی طرح ایسی خبروں کو بھی اتنی احتیاط اور دانائی سے نشر کیا جانا چاہیے کہ سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹنے پائے۔



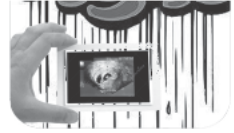
حافظ شبیر صدیق
ریسرچ فیلو دارالسلام

نزولِ بارش اور رحمِ مادر کی قبل از وقت خبریں

نت نئی ایجادات انسان کے لیے بہت زیادہ آسانیاں پیدا کر رہی ہیں۔ انھی ایجادات کی بدولت پیچیدہ اور مشکل معاملات کے بارے میں جاننا بھی بہت آسان ہو چکا ہے۔ ایسے ایسے آلات اور مشینریاں ایجاد ہو چکی ہیں کہ مستقبل میں وقوع پذیر ہونے والے امور کے بارے میں قبل از وقت ہی اندازہ کر لیا جاتا ہے۔ یہ آلات اور مشینریاں جہاں انسان کے لیے مشکلات کے حل کا سبب بن رہی ہیں وہیں یہ تشویش کا باعث بھی ہیں۔ ان آلات کے ذریعے سے مستقبل کی بعض ایسی باتوں کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ کچھ عرصہ قبل ان کے بارے میں اس کا تصور بھی نہیں پایا جاتا تھا۔ چونکہ مستقبل کے بارے میں ایسی باتیں غیبی امور سے تعلق رکھتی ہیں، اس لیے جب ایک عام آدمی ایسی خبروں کے بارے میں مطلع ہوتا ہے تو اس کے ذہن میں بہت سارے شکوک و شبہات جنم لیتے ہیں۔ جدید آلات کے ذریعے سے مستقبل میں بارش ہونے کے بارے میں اندازہ لگا لینا اور جدید مشینری کے ذریعے سے رحمِ مادر کی کیفیت کا اندازہ ہو جانا کہ پیدا ہونے والا بچہ لڑکا ہوگا یا لڑکی، یہ ایسی خبریں ہیں کہ ایک عام آدمی شرعی تعلیمات اور ان خبروں کو تضاد کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اور نبی ﷺ نے ایک حدیث میں ان دونوں چیزوں کو غیب کی چابیاں قرار دیا ہے جس کا معنی ہے کہ کوئی بھی شخص قبل از وقت ان کے بارے میں نہیں جان سکتا۔

ہمارے زیرِ نظر مضمون کا موضوع یہی دو مسئلے ہیں۔ ہم یہ کوشش کریں گے کہ ایک عام آدمی کے ذہن میں جو شکوک و شبہات جنم لیتے ہیں ان کو رفع کیا جا سکے۔ درج بالا مسائل سے متعلق بحث کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ اس آیت اور حدیث کو ذکر کر دیا جائے جس میں ان دونوں مسئلوں کو امورِ غیب میں شمار کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَ مَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَّ مَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوْتُ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾ ”بے شک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے اور وہی بارش نازل کرتا ہے اور وہی جانتا ہے جو (ماؤں کے) پیٹوں میں ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کام کرے گا اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا۔ بے شک اللہ خوب جاننے والا، خوب باخبر ہے۔“ (لقمان 34:31)

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «مِفْتَاحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ لَّا يَعْلَمُهَا إِلَّا اللّٰهُ: لَا يَعْلَمُ أَحَدٌ مَّا يَكُونُ فِي غَدٍ وَّلَا يَعْلَمُ أَحَدٌ مَّا يَكُونُ فِي الْأَرْحَامِ وَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّاذَا



تَكْسِبُ غَدًا وَمَاتَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ وَمَا يَدْرِي أَحَدٌ مَتٰى يَجِيءُ الْمَطَرُ» ''غیب کی چابیاں پانچ ہیں۔ اللہ کے علاوہ انھیں کوئی نہیں جانتا: کوئی شخص یہ نہیں جانتا کہ کل کیا ہونے والا ہے، کوئی شخص اس سے باخبر نہیں کہ رحم مادر میں کیا ہوگا، کوئی نفس اس سے مطلع نہیں کہ وہ کل کیا کمائے گا، کسی نفس کو اس بات کا علم نہیں کہ زمین کے کس حصے پر اس کی موت واقع ہوگی اور کوئی شخص اس بات کا علم نہیں رکھتا کہ بارش کب ہوگی۔''(صحیح البخاري: 1039)

مذکورہ حدیث میں درج بالا مسائل کو امور غیب میں سے قرار دیا گیا ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ پہلے علم غیب کی ایک متعین تعریف کردی جائے تاکہ کسی خاطر خواہ نتیجے تک پہنچا جاسکے اور ان مسائل کی پیچیدگیوں کو واضح کرنے اور سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہ آئے۔

علم غیب

علم غیب سے مراد ہر وہ چیز ہے جو تمام مخلوق سے پوشیدہ ہوچاہے وہ دیکھنے اور جاننے کے اعتبار سے ہو یا حسی طور پر۔ اور اس کا علم صرف اللہ ہی کے پاس ہو۔

اس تعریف سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کا علم وسائط اور ذرائع کے بغیر ہے۔ کسی واسطے اور ذریعے سے کسی چیز کے بارے میں جاننا علم غیب کی شرعی تعریف میں نہیں آتا ہے۔ اور ویسے بھی علم ایک یقینی چیز کا نام ہے۔ جدید آلات یا مشینری کے ذریعے کسی چیز کا اندازہ لگالیا جاتا ہے تو وہ علم کی تعریف سے خارج ہوجاتا ہے، لہٰذا ہماری اس بحث کے دوران میں یہ بات ذہن نشین رہے کہ جب کہیں ''علم غیب'' کا لفظ استعمال کیا جائے گا تو اس سے مراد علمِ یقینی ہوگا نہ کی آلات اور ذرائع سے حاصل کی گئی معلومات۔

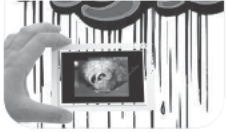
نزول بارش کی قبل از وقت خبریں

محکمۂ موسمیات ایک ایسا محکمہ ہے جو بارش کے ہونے اور نہ ہونے کے بارے میں اکثر اوقات پیش گوئیاں کرتا رہتا ہے۔ محکمۂ موسمیات کی یہ پیش گوئی جدید آلات کے ذریعے سے موسم کی نمی کے تناسب سے اندازہ لگا کر کی جاتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ مذکورہ حدیث کے متضاد ہے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ بارش کے نزول کے بارے میں کسی کو علم نہیں کہ کب نازل ہوگی تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ بعض آلات کے ذریعے سے اس چیز کو جان لیا جائے؟ اس سوال کا مطلق جواب تو یہ ہے کہ جدید آلات کے ذریعے سے جان کر بارش کے بارے میں پیش گوئی کرنا شرعی تعلیمات کے متصادم نہیں ہے، البتہ جب ہم اس کی تفصیل میں جاتے ہیں تو درج ذیل پہلوؤں سے اس کا جواب ہمارے سامنے آتا ہے:

نوٹ: جوابات کی تفصیل سے پہلے یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ ﴿يُنَزِّلُ الْغَيْثَ﴾ سے مراد صرف یہی نہیں ہے کہ بارش کب ہوگی اور کب نہیں ہوگی بلکہ اس میں بارش سے متعلقہ وہ تمام امور آتے ہیں جن کا ذکر ہم جوابات کی تفصیل میں کریں گے۔

① محکمۂ موسمیات کی طرف سے جو پیش گوئی کی جاتی ہے وہ صرف ایک اندازہ ہوتا ہے۔ وہ کلی علم نہیں ہوتا کہ وہ پیش گوئی پوری ہوکر ہی رہے گی۔ عموماً ہم اس کا مشاہدہ بھی کرتے ہیں کہ محکمہ موسمیات کی پیش گوئی غلط ثابت ہوتی ہے۔ جس دن وہ بارش کے ہونے کی پیش گوئی کرتے ہیں اس دن بارش نہیں ہوتی بلکہ اس کے برعکس اس دن بارش ہوجاتی ہے جس دن بارش نہ ہونے کی پیش گوئی کرتے ہیں۔ گویا محکمۂ موسمیات کی یہ پیش گوئی صرف امکانات کی حد تک ہوتی ہے۔ اس کا کلی علم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے کہ کب بارش ہونی ہے اور کب نہیں۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ محکمۂ موسمیات کی یہ پیش گوئی بھی ایک محدود وقت پر ہوتی ہے۔ جب آلات کے ذریعے سے بارش کے اثرات محسوس کیے جاتے ہیں تب پیش گوئی کی جاتی ہے، ورنہ ایسا ہرگز نہیں ہوتا کہ پانچ چھ ماہ بعد یا اس سے زیادہ عرصے کے بعد کے بارے میں بارش کی پیش گوئی کی جاتی ہو۔

② محکمۂ موسمیات کی پیش گوئی دن یا رات میں کسی بھی وقت بارش ہونے سے متعلق ہوتی ہے، اس میں کوئی مقررہ وقت نہیں بتایا جاتا کہ فلاں وقت پر بارش شروع ہوجائے گی۔ بعینہ بارش کے رکنے کا وقت بھی ان آلات کے ذریعے سے معلوم نہیں کیا جاسکتا۔ اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے کہ بارش کے ہونے کا مقررہ وقت کیا ہے، کتنی دیر تک بارش ہوگی اور



اس کے رکنے کا مقررہ وقت کیا ہے۔

③ جدید آلات کے ذریعے سے یہ بات معلوم نہیں کی جاسکتی کہ نازل ہونے والی بارش کی مقدار کتنی ہوگی۔ بارش کے کتنے قطرے برسیں گے اور کس کس جگہ برسیں گے۔ ان تمام باتوں کا علم صرف اللہ ہی کے پاس ہے کہ اس نے کتنی بارش برسانی ہے، اس میں کل کتنے قطرے ہوں گے اور کون سا قطرہ کس جگہ پر برسے گا۔

④ جب آسمان سے بارش برستی ہے تو زمین سے نئی نئی نباتات اگتی ہیں۔ بارش کے پانی سے کون کون سی نباتات اگیں گی اور ان سے کیا کیا فوائد حاصل ہوں گے اس کا علم بھی جدید آلات کے ذریعے سے معلوم نہیں کیا جاسکتا۔ یہ سب کچھ بھی صرف اللہ ہی کے علم میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''خشک سالی یہ نہیں ہے کہ تم پر بارش نہ برسائی جائے بلکہ خشک سالی تو یہ ہے کہ بارش بھی برسائی جائے مگر اس سے نباتات نہ اگیں۔'' (صحیح مسلم: 2904) معنی یہ کہ نباتات کا اگنا بھی ﴿يُنَزِّلُ الْغَيْثَ﴾ میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کس بارش سے نباتات اگیں گی اور کون سی بارش سے اگی ہوئی نباتات کو نقصان پہنچے گا۔

⑤ بارش ہونے سے قبل بارش کی شدت کا اندازہ بھی نہیں لگایا جاسکتا اور نہ یہ جانا جاسکتا ہے کہ ہونے والی بارش میں اولے برسیں گے یا نہیں۔ اس کا علم بھی اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے کہ بارش کی شدت کتنی ہوگی اور اس میں اولے برسیں گے تو کتنی مقدار میں برسیں گے۔

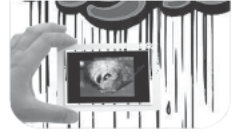
محترم قارئین! مذکورہ بحث سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ بارش کے بارے میں محکمۂ موسمیات کی طرف سے جو پیش گوئی کی جاتی ہے وہ ایک جزوی علم ہے جو آلات کے ذریعے سے حاصل کیا جاتا ہے۔ یہ نہ تو علم غیب ہے اور نہ علم غیب سے متعلق حدیث کے متعارض ہے۔ ﴿يُنَزِّلُ الْغَيْثَ﴾ کا مختلف پہلوؤں سے کلی علم اللہ ہی کے پاس ہے۔ گویا اس حوالے سے جو شکوک وشبہات ذہن میں جنم لیتے ہیں کہ محکمۂ موسمیات کی پیش گوئی حدیث سے متعارض ہے، یہ تمام شکوک وشبہات بھی رفع ہوجاتے ہیں۔

رحمِ مادر کی قبل از وقت خبریں

رحمِ مادر میں بچہ ہے یا بچی، اس بات سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے جدید مشینری ایک بہت آسان ذریعہ ہے۔ اگر ماضی قریب میں جائیں تو اس کے بارے میں جاننے کا تصور بھی ناپید تھا، اس لیے کہ انسانی آنکھ میں اللہ تعالیٰ نے یہ صلاحیت تفویض نہیں فرمائی کہ وہ بذاتِ خود ان چیزوں کے بارے آگاہی حاصل کرسکے جو پوشیدہ ہیں، البتہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ ان صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے انسان نے ایسی جدید مشینری ایجاد کرلی ہے کہ ولادت سے قبل ہی اس بات کا پتہ لگالیا جاتا ہے کہ پیدا ہونے والا بچہ لڑکا ہے یا لڑکی۔ جدید مشینری کی ان معلومات کی بنا پر عام لوگوں کے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ اس سوال کی بنیاد بھی وہی حدیث ہے جو ہم نے ابتدا میں ذکر کی ہے۔ حدیث میں صراحتاً یہ بات مذکور ہے کہ رحمِ مادر کی تمام چیزوں کا علم صرف اللہ ہی کو ہے جبکہ جدید مشینری کے ذریعے سے آج یہ ساری معلومات حاصل کی جارہی ہیں۔ تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حدیث میں جو بات ذکر ہوئی ہے امر واقع اس کے مخالف ہو۔

بہرحال یہ ایک ایسا سوال ہے کہ جس کا حل کیا جانا بہت ضروری ہے۔ ذیل میں ہم اس حوالے سے جنم لینے والے شکوک وشبہات کو رفع کرنے کی کوشش کریں گے۔ یہاں بھی یہ بات ذہن نشین رہے کہ ﴿يَعْلَمُ مَافِي الْأَرْحَامِ﴾ میں بچے کا صرف مذکر یا مؤنث ہونا ہی نہیں بلکہ ولادت سے متعلقہ تمام امور اس کے ضمن میں آتے ہیں۔ اس بات کی وضاحت کرنا بھی ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر مستقبل میں جدید مشینری کے ذریعے رحمِ مادر سے متعلقہ ان چیزوں کے بارے میں معلومات حاصل کرلی جاتی ہیں کہ جن کی معلومات حاصل کرنے کے لیے ابھی تک کوئی مشینری ایجاد نہیں ہوئی ہے تو وہ چیزیں بھی علمِ غیب کی تعریف سے خارج ہوجائیں گی۔ ذیل میں مختلف پہلوؤں سے اس بات کو بیان کیا جاتا ہے تاکہ کسی خاطر خواہ نتیجے پر پہنچا جاسکے:

① جدید مشینری کے ذریعے سے رحمِ مادر میں بچے یا بچی کے ہونے کی معلومات اس وقت حاصل کی جاتی ہیں جب بچے کے مذکر یا مونث



ہونے کی علامات واضح ہونا شروع ہوجاتی ہیں جبکہ پیدا ہونے والے بچے پر اس سے پہلے بھی کچھ ادوار آتے ہیں، مثلاً: نطفہ، علقہ اور مضغہ۔ ان ادوار کو جنین کہتے ہیں۔ جب نطفہ رحم میں ٹھہر جاتا ہے تو دنیا کی کوئی مشینری یہ نہیں بتا سکتی کہ اس نطفے سے جس بچے کی پیدائش ہونی ہے وہ مذکر ہوگا یا کہ مؤنث۔ معنی یہ کہ اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہوتا ہے کہ رحم مادر میں جو نطفہ ہے اس سے مذکر کی پیدائش ہونی ہے یا کہ مونث کی۔

② مشینری کے ذریعے سے رحمِ مادر میں بچے یا بچی کے ہونے کی جو خبر دی جاتی ہے یہ اس وقت کی ہے جب اللہ تعالیٰ اس جنین کے بارے میں فرشتے کو یہ حکم دیتا ہے کہ اس کا مذکر یا مؤنث ہونا لکھ دو۔ گویا کہ جب اللہ تعالیٰ اس جنین کے مذکر یا مؤنث ہونے کا علم مخلوق میں سے فرشتے کو بتا دیتا ہے تو پھر یہ علم غیب مطلق نہیں رہتا۔ اس کے بعد مشینری کے ذریعے سے جان لینا اس حدیث کے منافی نہیں ہے کہ جس میں اس کو امورِ غیب میں شمار کیا گیا ہے۔

③ رحمِ مادر میں موجود بچہ صحیح سالم پیدا ہوگا یا کہ اس میں کچھ نقص ہوگا، اس کے بارے میں بھی مشینری کے ذریعے سے معلوم نہیں کیا جاسکتا۔ اس کا بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے کہ رحمِ مادر میں موجود بچہ کس حالت میں پیدا ہوگا۔

④ ﴿یَعْلَمُ مَافِی الْاَرْحَامِ﴾ میں یہ بات بھی شامل ہے کہ رحمِ مادر میں جو بچہ ہے وہ سعادت مند ہوگا یا بدبخت اور اسی طرح وہ نیک ہوگا یا بدکار، اس کا علم بھی اللہ کے علاوہ کسی کو نہیں ہے اور رحمِ مادر میں موجود بچہ اپنی زندگی میں امیر ہوگا یا کہ غریب اس کا علم بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

⑤ رحمِ مادر میں موجود جنین سے اگر بچی نے جنم لینا ہے تو پھر اس بات کا علم بھی اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے کہ جو لڑکی پیدا ہو رہی ہے وہ ہمیشہ لڑکی ہی رہے گی یا کہ عمر کے کسی حصے میں اس کی جنس بدل بھی سکتی ہے۔ عموماً ایسے واقعات ہم اخبارات میں پڑھتے بھی رہتے ہیں کہ بعض لڑکیاں اللہ کے حکم سے لڑکے کی جنس میں بدل جاتی ہیں۔ ابھی چند دن پہلے ہی کا واقعہ ہے کہ کراچی میں ظالم شوہر نے اپنی بیوی کو صرف اس بنا پر طلاق دے دی کہ اس نے بیٹے کو جنم دینے کے بجائے بیٹی کو جنم دیا تھا۔ مگر اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ لڑکی لڑکے کی جنس میں بدل گئی اور آج وہ لڑکا نارمل زندگی گزار رہا ہے۔ (نوائے وقت: 13 ستمبر 2013ء) یعنی یہ بھی ایک ایسا معاملہ ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

⑥ رحمِ مادر میں موجود بچے کے پیدا ہونے کے مقررہ وقت کا علم بھی صرف اللہ ہی کو ہے۔ ایسی کوئی مشینری موجود نہیں جو بچے کے پیدا ہونے کے مقررہ وقت سے آگاہ کر سکے۔

⑦ پیدائش کے بعد یہ بچہ اپنی زندگی میں کیا کیا کھائے گا؟ اس کا رزق کہاں کہاں پر موجود ہے؟ اس کا علم بھی اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ ابھی وہ بچہ رحمِ مادر میں ہے مگر اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کیا کیا کھائے گا اور کہاں کہاں سے کھائے گا۔

⑧ رحمِ مادر میں موجود بچہ اپنی زندگی میں کب تک زندہ رہے گا، اس کی موت کب واقع ہوگی اور کس جگہ واقع ہوگی؟ اس کا علم بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے اور یہ ﴿یَعْلَمُ مَافِی الْاَرْحَامِ﴾ ہی کا حصہ ہے۔ دنیا میں ایسی کوئی مشینری ایجاد نہیں ہوئی اور نہ ہوسکتی ہے جو یہ بتا سکے کہ جو بچہ رحمِ مادر میں موجود ہے وہ کب تک زندہ رہے گا، اس کی موت کب واقع ہوگی اور کہاں واقع ہوگی۔

محترم قارئین! درج بالا بحث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جدید مشینری کے ذریعے سے رحمِ مادر پر جو اطلاع پائی جاتی ہے وہ ایک جزوی علم ہے جس کا تعلق مذکر یا مؤنث کی علامات واضح ہونے کے ساتھ ہے۔ اسے علم غیب میں شمار نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس کا علم اللہ تعالیٰ پہلے ہی اپنے فرشتے کو دے چکا ہوتا ہے۔ اسی طرح ﴿یَعْلَمُ مَافِی الْاَرْحَامِ﴾ میں وہ تمام پہلو شامل ہیں جو رحمِ مادر سے متعلق ہیں۔ بحیثیت مسلمان ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ علم غیب صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لائق ہے۔ جدید آلات یا مشینری کے ذریعے سے امورِ غیب پر جو اطلاع پائی جاتی ہے وہ علم غیب نہیں بلکہ علم حسی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان امور کے بارے میں پہلے اپنے فرشتوں کو مطلع کر چکا ہوتا ہے، اس کے بعد انسان جدید آلات اور مشینری کے ذریعے سے اس پر اطلاع پاتے ہیں۔ علم غیب کے لیے ضروری ہے کہ وہ بغیر کسی وسیلے اور امر حسی کے ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کا صحیح فہم اور سمجھ عطا فرمائے، آمین!

❁❁❁❁

محبت کے نام پر خودکشیاں

نوجوان نسل نئے فتنے کا شکار

عبدالوارث ساجد

لڑکی سکول میں ٹیچر تھی اور لڑکا میٹرک کا سٹوڈنٹ، ٹیچر پڑھانے جاتی تھی اور لڑکا پڑھنے جاتا تھا۔ دونوں کی روز ملاقات بس میں ہوتی تھی۔ آنکھ سے ہونے والی شناسائی ایک روز دل تک پہنچی اور بے حیائی میں بدل گئی۔ دونوں کی ملاقات دوستی میں بدلی اور دوستی انھیں محبت کے شیطانی راستے پر لے گئی۔ پھر میل ملاقات کا سلسلہ شروع ہوا اور گھنٹوں فون پر باتیں ہونے لگیں۔ عشق اور مشک چھپائے نہیں چھپتا۔ جب بات حد سے بڑھ گئی اور گھر والے بھی اپنی عزت کو بچانے کے لیے فکرمند ہوئے تو دونوں پر روک ٹوک ہونے لگی۔ جب میل ملاقات پر والدین نے پابندی لگائی تو موبائل فون نے اس دوری کو قربت دی۔ مگر کب تک چوری چوری فون پر باتیں ہوتیں؟ جب پابندی حد سے بڑھی تو اس پریمی جوڑے نے شیطان کو خوش کیا اور ایک پارک میں اکٹھے ہونے کا فیصلہ کیا۔ 18 سالہ لڑکی کبوہ کالونی چوہنگ سے چلی اور 20 سالہ لڑکا مصلح پنڈ رائے ونڈ روڈ سے نکلا، دونوں ازمیر ٹاؤن کے پارک میں اکٹھے ہوئے اور فیصلہ کیا کہ اگر ''سنگ دل دنیا'' ہمیں اکٹھا نہیں رہنے دیتی تو کوئی بات نہیں چلو ہم اپنی محبت کو ''امر'' بنا دیتے ہیں۔ چنانچہ دونوں نے زہریلی گولیاں کھائیں اور بدترین موت کا شکار ہو گئے۔

ریسکیو 1122 کے عملے کو اطلاع ملی تو انھوں نے دونوں کی لاشیں اٹھائیں۔ دونوں ماں باپ کو صدمے سے دوچار تو کر ہی گئے تھے ہمیشہ کے لیے ان کے ماتھے پر ذلت کا داغ بھی لگا گئے۔ (روزنامہ جنگ 22 جولائی 2013ء)

اس سے دو ہفتے قبل روزنامہ نوائے وقت میں ایسی ہی ایک خبر تھی کہ ایک نوجوان جوڑے نے محبت میں خاندانی رکاوٹ آنے پر محبت میں مرنے کا فیصلہ کیا اور رات کو فون پر بات کرتے ہوئے ایک ہی وقت میں دونوں نے اکٹھے گندم میں رکھنے والی گولیاں نگل کر خودکشی کر لی۔ محبت کے نام پر مرنے کی یہ وبا کس قدر تیزی سے نوجوان نسل میں پھیل رہی ہے اس کا اندازہ روزنامہ ایکسپریس کی اس سروے رپورٹ سے بھی لگایا جاسکتا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ صرف ایک ماہ میں 127 نوجوان لڑکے لڑکیوں نے محبت کے نام پر خودکشی کر لی۔ نوجوان نسل میں محبت کے نام پر خود کو مار دینے کا فتنہ تشویش ناک حد تک تیزی سے پھیل رہا ہے۔ اور اس فتنے کے فروغ میں سب سے بڑا ذریعہ ہندوستان کی لو سٹوری پر مبنی وہ فلمیں ہیں جو کیبل کے ذریعے پاکستان کے گھر گھر میں دیکھی جارہی ہیں۔ ان فلموں میں محبت کے نام پر امر ہونے کے لیے خودکشی کے واقعات خاص طور پر فلمائے جاتے ہیں۔ حال ہی میں بھارت میں ایک فلم ..... ریلیز



ہوئی جس کی نمائش بھارت کے ساتھ ساتھ پاکستان میں بھی زوروشور سے کی گئی۔ اس فلم میں لڑکے اور لڑکیوں کو بغیر شادی کے ایک ساتھ رہنے اور ناجائز تعلقات کو محبت کا نام دینے کے سوا کوئی سبق نہیں دیا گیا اور جب زندگی گناہ آلود ہوجائے تو پھر محبت کے نام پر مرنے کا راستہ دکھایا گیا ہے۔ فلم کے گانوں میں بھی یہی تلقین ہے کہ محبت میں ڈوبے رہو یا پھر مرجاؤ۔ نوجوان نسل کو ''یارا و یارا ہم تو مرجائیں گے'' کے الفاظ میں مرنے پہ ہی زور دیا گیا ہے۔ اور آخر میں ہوتا بھی یہی ہے۔ ہیرو لڑکی کی محبت کی خاطر خود کو نہر میں گرا کر خودکشی کرلیتا ہے۔ یہ ایک فلم نہیں بھارت کی تقریباً ہر دسویں فلم میں محبت میں مرنے اور اس کے گانوں میں ''تیرے گھر کے سامنے اپنی جان دیں گے'' جیسے سبق کے سوا کچھ اور نہیں ہوتا۔

اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کچے ذہن والے بچے اور بچیاں نوعمری میں جب ان فلموں کو دیکھتے ہیں تو ان سے ویسا ہی سبق سیکھ کر اسی ڈگر پر چل نکلتے ہیں۔ جب انھیں یہ سمجھ آتی ہے کہ فلم اور حقیقی زندگی میں بہت فرق ہوتا ہے تب تک پانی سر سے گزر چکا ہوتا ہے اور وہ اپنا بہت کچھ گنوا چکے ہوتے ہیں۔ اور پھر نتیجہ یہی نکلتا ہے جو ہم ہر روز اخبارات کے صفحات پر خبروں میں پڑھتے ہیں کہ محبوب یا محبوبہ نے بے وفائی پر خودکشی کرلی۔ بھارتی فلموں میں محبت اور خودکشی کے کردار ایک منظم سازش کے تحت تیار ہوتے ہیں اور پھر ان فلموں کو پاکستان بھر میں پھیلایا جاتا ہے۔ وہ فلمیں کیبل کے ذریعے گھر گھر دیکھی جاتی ہیں جس کی بنا پر پاکستان میں نوجوانوں میں خودکشی کرنے کا ایک طوفان بدتمیزی امڈ آیا ہے۔ یہ طوفان جہاں پاکستان میں تباہی مچا رہا ہے وہاں بھارت کا حال بھی کچھ ٹھیک نہیں۔ بھارت میں بھی اسی عشق و محبت کے نام پر خودکشی کا رجحان خطرناک حد تک بڑھ گیا ہے۔

بھارت کے جرائم کے اعداد و شمار کے قومی ادارے کے ایک سروے کے مطابق وہاں ہر گھنٹے میں ایک سو افراد خودکشی کے مرتکب ہورہے ہیں اور پچھلے دس سال کے عرصے میں خودکشی کرنے والے افراد کی تعداد دُگنا ہوگئی ہے۔ تشویشناک بات یہ ہے ان میں نوجوان لڑکے اور لڑکیاں زیادہ ہیں۔

اب تو انڈین سپریم کورٹ کی رولنگ کے مطابق فلموں کی بنا پر انڈیا میں خودکشی کی رفتار اس قدر بڑھ گئی ہے کہ سپریم کورٹ جیسے اعلیٰ قانونی ادارے کو بھی اس کو جائز قرار دینا پڑ گیا ہے۔ اس سے پہلے بھارت میں 309 کے تحت خودکشی کرنا جرم تھا مگر اب خودکشی کے واقعات میں اضافہ ہی اس قدر ہے کہ اس قانون پر عمل درآمد ہی ناممکن ہوگیا ہے۔ اب صورت یہ ہے بھارت میں خودکشی کرنا جرم نہیں رہا، لہٰذا نوجوان نسل محبت میں فنا ہوکر امر ہوجانے کے لیے دھڑا دھڑ خودکشیاں کررہی ہے، اور یہی حال اب پاکستان میں ہوتا جارہا ہے۔

لیکن افسوس ناک بات یہ ہے کہ جو آگ بھارتی انتہاپسند ہدایت کار پاکستان میں لگانا چاہتے تھے اس میں اگرچہ وہ خود بھی جھلس رہے ہیں لیکن پاکستان میں وہ آگ تیزی سے بھڑکا چکے ہیں۔ رہی بات بھارت میں نوجوانوں کے محبت پر مرنے کی تو ان کے ہاں تو یہ خودکشی نہیں بلکہ محبت میں امر ہونا ہے۔ ان کا تو یہ عقیدہ ہے کہ اس جنم میں مرکر اگلے جنم میں اکٹھے ہوں گے۔ یہی کچھ دوسرے ممالک کے مذاہب میں بھی ہے۔

جاپان میں بھی خودکشی کو مقدس اور بہادرانہ فعل سمجھا جاتا تھا اور لوگ عشق کی ناکامی پر خود کو ہلاک کرلیتے تھے۔ ٹوکیو یونیورسٹی کے پروفیسر کینچی تامورا کے فراہم کردہ اعداد و شمار کے مطابق اب یہ ملک خودکشی میں دسویں نمبر پر ہے۔

جاپان میں خودکشی کو ہاراکاری کہتے ہیں۔ جاپان کے علاوہ قدیم یونان، مصر، روم، ایران اور بھارت جیسے ممالک میں بہت دیر تک عشق میں ناکامی پر خودکشی کا رواج رہا۔

بھارت جس کی فلمیں دیکھ کر نوجوان لڑکے لڑکیاں عشق میں فنا ہورہے ہیں اور امر ہونے کے لیے خودکشی کررہے ہیں ان کے تو مذہب کا حصہ خودکشی ہے جبکہ ہمارے مذہب اسلام نے اس سے سختی سے منع کیا ہے اور کسی بھی حالت میں ایسا کرنے سے صریحاً روکا ہے۔

ہندو کے ہاں تو بہت سی جگہوں پر خودکشی کی مذہبی اجازت ہے۔ بیوہ اپنے شوہر کی وفات پر جل مرتی ہے۔ جو لوگ غربت، بیماری، بڑھاپے یا نقصِ اعضاء کی وجہ سے زندگی سے تنگ آجائیں تو ان کو بھی آگ میں جل کر مرجانے



کی اجازت تھی۔ اونچی ذات کے لوگ البتہ آگ میں خودکشی نہیں کرتے۔ صرف ویش اور شودر ہی آگ سے مرتے تھے۔ لیکن اگر برہمن اور کھشتری خودکشی کرنا چاہیں تو انھیں یہ حکم تھا کہ کسوف یا خسوف کے وقت کسی طریقے سے خودکشی کرلیں۔ یا کسی سے کہہ کر اپنے آپ کو گنگا میں غرق کرالیں۔ گنگا اور جمنا کے سنگم پر بڑ کا ایک درخت ہے جس کو پریاگ کہتے ہیں۔ برہمن یا کھشتری اس درخت پر چڑھ جاتے اور وہاں سے گنگا میں کود کر خودکشی کرلیتے تھے۔

افسوس تو اس بات کا ہے کہ ہماری نوجوان نسل جیسے ہندی فلمیں دیکھ کر ہندوانہ ثقافت اپنا رہی ہے ویسے ہی ان کی تقلید میں خودکشی کو بھی تیزی سے اپنا رہی ہے، حالانکہ ہم مسلمان ہیں۔ اسلام میں عقیدہ اور پوجا پاٹ کا نام ہی مذہب نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبے کو احکام الٰہی کے مطابق بسر کرنے کا نام ہے۔ اس میں عقیدہ، عبادت، سیاست، معاشرت اور معیشت سبھی کچھ شامل ہے۔ اور اسلام نے خودکشی تو دور کی بات شہادت کی موت کے سوا مرنے کی دعا کرنے اور خواہش کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ ایک مسلمان کی زندگی اللہ کی امانت ہے۔ ایک امتحان ہے کہ دنیا میں رہ کر اللہ کے احکامات کے مطابق زندگی گزارنا اور خود کو جنت میں لے جانے کے لیے پریکٹس کرنا۔ یوں خود کے ہاتھوں خود کو مار دینا نہ صرف اللہ سے بغاوت ہے بلکہ اسلام اور ایمان کا انکار بھی۔ اس سے ہمارا مذہب ہمیشہ روکتا ہے مگر دوسرے مذاہب اس کی کھلی اجازت دیتے ہیں۔

ہندو مذہب میں بھی ایسی خودکشی کو مذہبی طور پر اس لیے بھی جائز قرار دیا جاتا ہے کہ انسان کی طرف سے حقیقی قربانی اس کی اپنی ہے۔ لیکن ہمارے ہاں اس کی کہیں بھی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

پھر نوجوان نسل کیوں ہندوانہ ثقافت کے پیچھے سرپٹ دوڑ رہی ہے اور زندگی کے اس عظیم قدرتی تحفہ کو نام نہاد محبت کے نام پر خودکشی کرکے ختم کررہی ہے۔

زندگی اللہ کی دی ہوئی وہ نعمت ہے کہ اس کی شکرگزاری انسان پوری زندگی میں بھی نہیں ادا کرسکتا۔ چہ جائیکہ اس نعمت خداوندی کو ذرا سی بات پر ختم کردیا جائے۔ ہمارے ہاں عجب چلن ہے، فیشن کے نام پر ہر مغربی اقدام بلاسوچے سمجھے اپنا لیا جاتا ہے۔ بچے تو ہمارے ہیں ہی اب میڈیا کے رحم وکرم پر۔ ہالی وڈ اور بالی وڈ جو راستہ انھیں دکھاتا ہے وہ اس پر بلاجھجک دوڑے چلے جارہے ہیں۔ جو فلموں ڈراموں میں دیکھتے ہیں وہی کچھ زندگی کے شب و روز میں کرنے بیٹھ جاتے ہیں، حالانکہ فلم اور زندگی کا فرق سب جانتے ہیں۔

لیکن چونکہ فلم کے کرداروں کے نقش ذہن میں سمائے ہوتے ہیں اس لیے انھیں بھی اس مسئلے کا حل وہی نظر آتا ہے جو پردہ سکرین پر دیکھا ہوتا ہے۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ موت، ہوس، بربادی کی اس راہ کو محبت کا نام دیا گیا ہے۔ یہ کیسی محبت ہے کہ جس کی ناکامی یا محبوب کے رویے سے دلبرداشتہ ہوکر جان تک گنوا دی جاتی ہے۔ یہ محبت تو نہ ہوئی۔ یہ تو طلب اور ہوس ہوئی کہ جسے پا نہ سکے تو خود کو مٹا دو۔ اگر یہ محبت ہے تو اسے محبت کا نام ہرگز نہیں دیا جاسکتا بلکہ محبت پاکیزہ رشتے کا نام ہے جو صرف محبوب سے نہیں بلکہ سب رشتوں میں ہوتی ہے، ماں، باپ، بہن بھائی، میاں بیوی۔ حیرت ہے کہ ان رشتوں کی وجہ سے تو کبھی خودکشی نہیں ہوئی۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ان رشتوں میں حقیقی محبت ہوتی ہے ہوس سے پاک۔ اور یہی محبت لازوال ہوتی ہے۔

ہمیں اصل میں یہی محبت کرنی چاہیے جس کی محبت سے ہمیں دنیا کے عارضی چھوڑ جانے والے محبوب کی بجائے آخرت میں حوروں اور غلمان کی شکل میں ایک کی بجائے کئی محبوب ملیں گے۔ اس کے بجائے اگر دنیا میں محبوب کی بے وفائی یا محبت میں ناکامی کی وجہ سے خودکشی کرتے ہیں تو نہ صرف اپنی قیمتی زندگی ختم کرتے ہیں بلکہ خودکشی کی صورت میں حرام موت کو بھی گلے لگاتے ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے ابھی وقت ہے ہمیں ہنود و یہود کی عیاری سے سبق سیکھ لینا چاہیے۔ غیر مسلموں سے دوستی میں عیاری کے سوا کچھ نہیں۔ آج گھر گھر مسلمانوں میں غیر مسلموں کے فیشن، انگریزی اور ہندی بول چال اور انھی کے طور طریقے اور تہوار مقبول ہو رہے ہیں۔ یہ سب ایک منظم سازش کے تحت پاکستان میں فروغ دیا جارہا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ پانی سر سے گزر جائے۔ ہم تب پچھتا رہے ہوں جب چڑیاں کھیت چگ چکی ہوں۔

آپ کا جیون ساتھی کیسا ہو؟



قاری طارق جاوید عارفی
ریسرچ فیلو دارالسلام

اسلام دین فطرت ہے۔ اسی لیے اسلامی احکام انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں۔ شادی بیاہ بھی چونکہ ایک فطری ضرورت ہے، اس لیے اسلام نے اس فطری ضرورت کا لحاظ رکھتے ہوئے نہ صرف شادی کی اجازت دی ہے بلکہ ہر بالغ اور صاحب استطاعت کے لیے شادی کو ضروری بھی قرار دیا ہے۔ اس ضرورت کی تکمیل کے لیے اسلام نے کسی دن، مہینے اور سال کو بابرکت اور افضل قرار دیا ہے نہ کسی دن، مہینے اور سال کو منحوس اور بے برکت کہا ہے۔ ہمارے ہاں توہم پرستی اور جہالت کی بنا پر بعض مہینوں اور دنوں میں شادی کے انعقاد کو منحوس سمجھا جاتا ہے۔ ان میں محرم اور صفر سرِفہرست ہیں۔ محرم میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا المناک واقعہ پیش آیا، اس لیے شیعی اثرات کے زیر اثر اس مہینے کو سوگ اور غم کا مہینہ سمجھا جاتا ہے اور اس مہینے میں شادی بیاہ کے مراسم کی ادائیگی ناپسندیدہ بلکہ بعض حلقوں میں حرام سمجھی جاتی ہے۔ ماہِ صفر کے متعلق 15 صدیاں قبل کا یہ توہم ابھی تک برقرار ہے کہ یہ نحوست والا اور خیر و برکت سے خالی مہینہ ہے۔ اس لیے اس مہینے میں شادی بیاہ سے گریز کیا جاتا ہے۔ ان دو مہینوں میں شادی سے پرہیز کی بنا پر ان مہینوں کی آمد سے قبل شادیوں کا بڑا زور و شور ہوتا ہے۔ بالخصوص عیدالاضحیٰ کے بعد کے دو عشرے شادیوں کی گہما گہمی میں گزرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ملکی لحاظ سے چونکہ یہ شادیوں کا سیزن ہے۔ بہت سے لوگ رشتہ ازدواج سے منسلک ہوکر اپنے جیون ساتھی کے ہمراہ نئی زندگی کا آغاز کرتے ہیں، اس لیے ہم نے مناسب سمجھا کہ جیون ساتھی کے انتخاب میں شریعتِ اسلامیہ کی تعلیمات اور ہدایات ضیائے حدیث کے قارئین اور قارءات کو ہدیہ کی جائیں۔

ایک مسلمان مرد کو اپنے جیون ساتھی (بیوی) کے انتخاب کے لیے کن خصوصیات اور امتیازات کو معیار اور کسوٹی بنانا چاہیے، شریعتِ مطہرہ نے اس حوالے سے ہماری بھرپور رہنمائی فرمائی ہے۔ قرآن و سنت میں جن صفات کی حامل بیوی کے انتخاب کی ترغیب دلائی گئی ہے، ان کا اختصار سے ذکر کیا جاتا ہے:

① محبت کرنے والی ہو: اس حوالے سے حدیث میں «اَلْوَدُوْدَ» کا لفظ آیا ہے۔ اس سے مراد ایسی عورت ہے جو اپنے شوہر سے بے پناہ محبت کرتی ہو، یعنی ایسی محبوب اور پسندیدہ عورت جو عمدہ اور بہترین اوصاف و خصائل اور حسنِ سلوک کی مالک اور اپنے شوہر سے محبت کرنے والی ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میاں بیوی کی باہمی محبت ہی سے گھریلو زندگی خوشگوار گزر سکتی ہے اور ایسا تبھی ممکن ہے جب بیوی صرف اپنے شوہر سے محبت کرتی ہو اور غیروں میں رغبت نہ رکھتی ہو۔

② زیادہ بچے جننے والی ہو: اس حوالے سے



حدیث میں «اَلْوَلُودَ» کا لفظ آیا ہے جس کا مطلب ہے ایسی خاتون جو زیادہ بچے جنتی ہو۔ اس کا سبب آپ ﷺ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ تمھاری کثرت کی وجہ سے میں دیگر امتوں پر اظہار فخر کروں گا۔ نبی رحمت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «تَزَوَّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» ''خوب محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جننے والی عورت سے نکاح کرو کیونکہ میں تمھاری کثرت کی وجہ سے روزِ قیامت دوسری امتوں پر فخر کا اظہار کروں گا۔''(مسند أحمد: 245,158/3 و سنن أبي داود: 2050)

ایک روایت میں ہے کہ میں دوسرے انبیاء کے مقابلے میں تمھاری کثرت کی وجہ سے فخر کروں گا۔(آداب الزفاف للألباني، ص: 17)

عورت زیادہ بچے جننے والی ہو، اس بات کا اندازہ چند قرائن سے کیا جاسکتا ہے، مثلاً: اس عورت کے خاندان کی دیگر عورتوں کے حالات معلوم کرکے، عورت کی صحت، عمر اور کنوارگی کا اندازہ کرکے۔

③ کنواری ہو: کنوارے مرد کے لیے کنواری عورت سے شادی کرنا دوہاجو کی بہ نسبت زیادہ پسندیدہ ہے۔ ایسا صرف ترجیح کی حد تک ہے ورنہ اگر دوہاجو عورت نیک سیرت ہو تو اس سے بھی شادی کی جاسکتی ہے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے نبی کریم ﷺ نے پوچھا: ''تم نے شادی کرلی ہے؟'' انھوں نے کہا: جی ہاں۔ پوچھا: ''کسی کنواری سے کی ہے یا دوہاجو سے۔'' کہا: دوہاجو سے۔ فرمایا: ''تم نے کنواری سے شادی کیوں نہ کی! تم اس سے کھیلتے وہ تم سے کھیلتی (ایک دوسرے سے لطف اندوز ہوتے۔)'' سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: میری کئی بہنیں ہیں (اور میرے والدین فوت ہوچکے ہیں) اس لیے میں نے یہی پسند کیا کہ ایسی عورت سے شادی کروں جو انھیں جمع رکھے، ان کی کنگھی کرے اور ان کی نگرانی کرے۔'' (صحيح البخاري: 2097)

نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: «عَلَيْكُمْ بِالْأَبْكَارِ فَإِنَّهُنَّ أَعْذَبُ أَفْوَاهًا وَأَنْتَقُ أَرْحَامًا وَأَرْضَى بِالْيَسِيرِ» ''کنواری عورتوں سے نکاح کرو کیونکہ وہ شیریں گفتار، زیادہ بچے جننے والی اور تھوڑی چیز پر راضی رہنے والی ہوتی ہیں۔''(المصنف لابن أبي شيبة: 416/4)

④ خوبصورت ہو: انسان کی طبیعت خوبصورتی میں رغبت رکھتی ہے۔ نیز یہ چیز عورت سے محبت والفت میں اضافے کا باعث بھی ہے۔ مزید یہ کہ بیوی خوبصورت ہو تو آدمی دیگر خواتین کو دیکھ کر فتنے کا شکار نہیں ہوتا۔ نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کون سی عورت (بیوی) سب سے بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «اَلَّتِي تَسُرُّهُ إِذَا نَظَرَ وَتُطِيعُهُ إِذَا أَمَرَ وَلَاتُخَالِفُهُ فِي نَفْسِهَا وَمَالِهَا بِمَايَكْرَهُ» ''ایسی عورت کہ جب اس کا شوہر اس کی طرف دیکھے تو اسے خوش کردے، جب وہ اسے کسی کام کا حکم دے تو اسے بجالائے، اس کی جان اور مال کے حوالے سے اس کا شوہر جس چیز کو بھی ناپسند کرتا ہو، اس میں وہ اس کی مخالفت نہ کرے۔''(مسند أحمد: 251/2، وسنن النسائي: 3030)

ایک دوسری روایت میں نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: ''قبولِ اسلام کے بعد مسلمان آدمی کے لیے سب سے بہترین فائدہ یہ ہے کہ اسے ایسی خوبصورت بیوی مل جائے کہ جب وہ اس کی طرف دیکھے تو وہ اسے خوش کردے اور جب وہ اسے حکم دے تو اس کی اطاعت کرے اور اس کی عدم موجودگی میں اس کے مال اور عزت کی حفاظت کرے۔'' (سنن سعيد بن منصور: 141/1)

⑤ حسب نسب والی ہو: ایسی عورت ہو جسے اپنے اقرباء اور آباء واجداد کی وجہ سے شرف اور بزرگی حاصل ہو۔ یقیناً ایسی خاتون سے شادی انسان کے لیے عزت و شرف کا باعث ہوتی ہے۔

⑥ خوب سیرت اور دین دار ہو: ایسی عورت جو احکام شریعت کی پابند، گناہوں سے بچنے والی، نیکیوں کی طلب گار اور بااخلاق ہو۔ ایسی عورت سے شادی انسان کے لیے دنیا و آخرت کی کامیابی کا ذریعہ ہے۔ ایسی صالحہ خاتون جہاں اپنے شوہر کے لیے خیر وبرکت کا باعث ہے، وہاں خود اس کے لیے جنت کی بشارت بھی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: «إِذَاصَلَّتِ الْمَرْأَةُ خَمْسَهَا وَصَامَتْ شَهْرَهَا وَحَصَّنَتْ فَرْجَهَا وَأَطَاعَتْ بَعْلَهَا دَخَلَتْ مِنْ أَيِّ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَتْ» ''جو عورت پانچ نمازیں ادا کرے، رمضان کے روزے رکھے، اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے، (قیامت کے روز)



جنت کے (آٹھوں) دروازوں میں سے جس سے چاہے داخل ہوجائے۔'' (صحیح ابن حبان: 4163)

⑦ اخروی معاملات میں شوہر کی مددگار ہو: بہت سے لوگ اپنی شریکِ حیات کے لیے ایسی خاتون کے متلاشی ہوتے ہیں جو امورِ دنیا میں اس کی ممد ومعاون بنے۔ اس کے لیے وہ اعلیٰ دنیاوی تعلیم کو معیار بناتے ہیں۔ بعض لوگ اپنی کوشش کے مطابق اپنا مطلوبہ معیار حاصل بھی کر لیتے ہیں، لیکن اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ ایسے لوگوں کے دنیاوی معاملات تو کسی حد تک بہتر ہوجاتے ہیں اور دنیاوی آسائشوں کی ریل پیل ہوجاتی ہے، تاہم ان کی آخرت مکمل طور پر تباہ ہوجاتی ہے کیونکہ ایسے لوگ ایک تو خود فکرِ آخرت سے غافل ہوتے ہیں اور پھر رفیقِ حیات بھی ایسا ہی منتخب کر لیتے ہیں جو دنیاوی امور کا تو ماہر ہے لیکن اخروی معاملات سے بالکل کورا ہے جس کا نتیجہ آخرت کی بربادی کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ اس لیے نبی کریم ﷺ نے ایسی عورت سے شادی کرنے کی ترغیب دلائی ہے جو امورِ آخرت میں شوہر کی مددگار ہو۔ اپنے شوہر کو نماز روزے کا حکم کرے، حلال کمانے کی ترغیب دے اور حرام سے بچنے کی تلقین کرے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک موقع پر آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ ہم کون سا مال حاصل (کرنے کی کوشش) کریں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمھیں چاہیے کہ شکر کرنے والا دل حاصل کرو، ذکر کرنے والی زبان اور ایسی بیوی حاصل کرو جو آخرت کے معاملات میں مرد کی مدد کرے۔'' (سنن ابن ماجہ: 1856)

⑧ مال دار ہو: اگر دیگر خوبیوں کے ساتھ عورت مال دار بھی ہو تو سونے پہ سہاگہ ہے۔ کیونکہ اس کا خاوند اس کے مال میں رغبت کی وجہ سے اس سے حسن سلوک سے پیش آئے گا اور ان کی اولاد بھی اپنی والدہ سے حاصل شدہ نفع کی بنا پر غنی ہوگی۔ مرد اپنے بعض حالات کی بنا پر اس خوبی کو اپنی ترجیحات میں شامل کرسکتا ہے، لیکن صرف اسے ہی معیار بنا لینا کسی طور پر بھی درست نہیں ہے۔

⑨ خانگی معاملات کی ماہر ہو: پابند شریعت اور بااخلاق ہونے کے ساتھ ساتھ عورت کا خانگی امور میں ماہر ہونا بھی ضروری ہے۔ ماؤں کو چاہیے کہ وہ تعلیم کے ساتھ ساتھ خانگی امور میں بھی اپنی بیٹیوں کو ٹریننگ دیتی رہیں کیونکہ عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ دیگر خوبیوں کے ہوتے ہوئے صرف عورت کے خانگی امور میں عدم واقفیت کی بنا پر اس بندھن میں دراڑیں پڑنا شروع ہوجاتی ہیں جو اکثر طور پر اس بندھن سے پیار و محبت چھین لیتی ہیں۔ اس لیے خانگی امور کی ماہر خاتون کا انتخاب کریں۔ نبی کریم ﷺ نے ایک موقع پر خواتینِ قریش کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: ''عورتوں میں بہترین عورت قریش کی صالح عورت ہے جو اپنے بچے سے بہت زیادہ محبت کرنے والی اور اپنے شوہر کے مال و اسباب میں اس کی بہت عمدہ نگہبان ونگران ثابت ہوتی ہے۔'' (صحیح البخاري: 5082، وصحیح مسلم: 2527)

⑩ منحوس نہ ہو: مطلب یہ کہ ایسی عورت نہ ہو جو بداخلاق، زبان دراز، بداندیش اور بے رحم ہو (یہ سب باتیں بذریعہ تحقیق شادی سے قبل معلوم کی جاسکتی ہیں۔) ایسی عورت سے شادی کرنے سے انسان کا امن و سکون غارت ہوجائے گا اور وہ ہمیشہ کی پریشانی میں گرفتار ہوجائے گا۔ گھر میں ہروقت لڑائی کا ماحول ہوگا جس سے ایک طرف تو زندگی اجیرن ہوکر رہ جائے گی اور دوسری طرف دنیاوی و دینی سرگرمیاں بھی متاثر ہوں گی۔ ایسی ہی بیوی کو قرآن مجید نے انسان کی دشمن قرار دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ﴾ ''اے ایمان والو! تمھاری بعض بیویاں اور تمھاری بعض اولاد تمھاری دشمن ہے، لہٰذا ان سے بچ کر رہو۔'' (التغابن 14:64) نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «اَلشُّؤْمُ فِي الدَّارِ وَالْمَرْأَةِ وَالْفَرَسِ» ''گھر، عورت (بیوی) اور گھوڑی (سواری) میں نحوست ہوسکتی ہے۔'' (صحیح البخاري: 5093، وصحیح مسلم: 2225)

یہ تمام خوبیاں اور صفات میسر ہوں تو بہت بہتر ہے۔ ورنہ صرف دین دار خاتون کو ترجیح دی جائے، بقیہ معاملات دین کی برکت سے اللہ تعالیٰ خود سنوار دے گا۔ نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: ''عورت سے چار اسباب کی بنا پر شادی کی جاتی ہے: ① اس کے مال کی وجہ سے ② اس کے خاندان کی وجہ سے ③ اس کے حسن و جمال کی وجہ سے ④ اور اس کے دین کی وجہ سے۔ لہٰذا تم دین دار عورت



سے نکاح کر کے کامیابی حاصل کرو۔ اگر ایسا نہ کرو تو تمھارے دونوں ہاتھ خاک آلود ہوں، یعنی تم نادم اور پشیمان ہو۔'' (صحيح البخاري: 5090، وصحيح مسلم: 1466)

معروف فقیہ سید سابق رحمہ اللہ دین دار عورت سے شادی کے فوائد پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ضروری ہے کہ عورت میں سب سے پہلے تو وافر دین ہو کیونکہ دین سوچ و فکر کی رہنمائی کرتا ہے۔ پھر ثانوی حیثیت میں وہ صفات ہیں جن کی انسان کو طبعًا خواہش اور نفس کا میلان ہوتا ہے۔ اس لیے کہ بیوی خاوند کا سکون، اس کا جیون ساتھی، اس کے گھر کی مالکن، اس کے بچوں کی ماں، اس کے دل کی محبت اور راز و نیاز کی جگہ ہے۔ یہ خاندان کا ایک اہم رکن ہے۔ یہ اولاد کو اچھا بنانے والی ہے۔ بچے بہت سی عادات ماں ہی سے حاصل کرتے ہیں۔ اس کی گود میں بچپن کے جذبات بنتے ہیں۔ احساسات پرورش پاتے ہیں۔ اس سے وہ اپنی تہذیب حاصل کرتے ہیں، اپنے دین سے متعارف ہوتے ہیں اور معاشرے کے میل جول کے عادی بنتے ہیں۔ اسی لیے اسلام نے نیک بیوی کے انتخاب کا اہتمام کیا ہے اور اسے بہترین فائدہ قرار دیا ہے۔'' (فقه السنة: 108/2)

عورت کا جیون ساتھی

جیسے مرد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے جیون ساتھی کے لیے ایسی خاتون کا انتخاب کرے جو نیک و صالحہ اور مذکورہ بالا خصوصیات کی حامل ہو، اسی طرح عورت کے اولیاء اور سرپرست حضرات کے لیے بھی لازم ہے کہ وہ اپنی بہن یا بیٹی کے لیے ان کے جیون ساتھی کے طور پر ایسے شخص کا انتخاب کریں جو نیک، متقی، پرہیزگار، بااخلاق، خوب صورت اور خوب سیرت ہو۔ ایک اچھا شوہر کن خوبیوں کا حامل ہوتا ہے، ذیل میں ان کا ذکر کیا جاتا ہے:

① بیوی سے حسن سلوک سے پیش آنے والا ہو: نبی کریم ﷺ کا فرمان گرامی ہے: «خَيْرُكُمْ خَيْرُكُم لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي» ''تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنے اہل (بیوی) کے لیے بہتر ہے اور میں تم سب کی نسبت اپنے اہل کے لیے بہتر ہوں۔'' (سنن ابن ماجه: 1977) ایک دوسری روایت میں آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: «خِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ» ''تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو اپنی عورتوں (بیویوں) کے لیے بہترین ہیں۔'' (سنن ابن ماجه: 1978)

② بیوی کو بلاوجہ مارنے والا نہ ہو: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی خادم یا عورت (بیوی) کو مارا نہیں۔'' (سنن أبي داود: 4786)

③ آزمائش اور مصیبت میں صبر و شکر کرنے والا ہو: شادی کے بعد آدمی کو بعض مشکل حالات اور پیچیدہ امور کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ ان میں سے بعض چیزیں انسان کے اپنے اعمال کی شامت ہوتی ہیں اور کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہوتی ہیں۔ لہٰذا اگر وہ کسی آزمائش میں گرفتار ہو جائے تو شکوہ شکایت کی بجائے صبر و شکر سے کام لینے والا ہو، جیسے بیٹوں کی بجائے فقط بیٹیاں ہی پیدا ہونا بھی اللہ کی طرف سے ایک آزمائش ہے۔ تو وہ اس آزمائش پر صبر کرنے والا ہو نہ کہ اپنی بیوی کو موردِ الزام ٹھہرا کر اللہ کی تقدیر کا شکوہ اور انکار کرنے والا ہو۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «مَنِ ابْتُلِيَ بِشَيْءٍ مِّنَ الْبَنَاتِ فَصَبَرَ عَلَيْهِنَّ، كُنَّ لَهُ حِجَابًا مِّنَ النَّارِ» ''جو شخص بیٹیوں کی وجہ سے آزمایا گیا اور اس نے ان پر صبر کیا تو وہ (بیٹیاں) اس (باپ) کے لیے آگ سے رکاوٹ بن جائیں گی۔'' (جامع الترمذي: 1913)

④ اولاد کی تعلیم و تربیت میں دلچسپی لینے والا ہو: نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: «مَنْ عَالَ ثَلَاثَ بَنَاتٍ فَأَدَّبَهُنَّ وَزَوَّجَهُنَّ وَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ، فَلَهُ الْجَنَّةُ» ''جس نے تین بیٹیوں کی پرورش کی، ان کو ادب اور سلیقہ سکھایا، ان کی شادی کی اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آیا تو اس کے لیے جنت ہے۔'' (سنن أبي داود: 5147)

⑤ بیوی کے معاملے میں درگزر اور نرمی سے کام لینے والا اور اس کے حق میں خیر و بھلائی کی بات قبول کرنے والا ہو: نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''جو اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے جب (اپنی بیوی میں کوئی پسند نہ آنے والا) معاملہ دیکھے تو اچھی طرح سے بات کہے یا خاموش رہے۔ اور عورتوں کے ساتھ اچھے سلوک کی نصیحت قبول



کرو کیونکہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے۔ اور پسلیوں میں سب سے زیادہ ٹیڑھ اس کے اوپر والے حصے میں ہے۔ اگر تم اسے سیدھا کرنے لگ جاؤ گے تو اسے توڑ دو گے اور اگر چھوڑ دو گے تو وہ ٹیڑھی ہی رہے گی۔ عورتوں کے ساتھ اچھے سلوک کی نصیحت قبول کرو۔'' (صحیح مسلم: 1466,3644)

⑥ اہل وعیال پر خوش دلی سے خرچ کرنے والا ہو: گھریلو معیشت کا پہیہ گھمانا شوہر کی ذمہ داری ہے۔ لہٰذا اپنے داماد یا بہنوئی کے طور پر ایسے شخص کا انتخاب کرنا چاہیے جو کسی روزگار سے منسلک ہو اور اہل وعیال کے نان ونفقہ کی ذمہ داری کا صحیح احساس رکھتا ہو۔ اسے خوش دِلی سے ادا کرنے کے جذبات سے بہرہ ور ہو۔ مومن شخص نان ونفقہ کے طور پر اپنے اہل پر جو بھی خرچ کرتا ہے، اللہ کے ہاں اس کا صدقہ شمار ہوتا ہے۔

⑦ گھریلو امور میں بیوی کا ہاتھ بٹانے والا ہو: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ گھر کے کام کاج میں مصروف رہتے اور جب نماز کا وقت ہوتا تو آپ نماز کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے۔'' (صحیح البخاري: 676)

ان تمام خوبیوں اور اوصاف کا حامل شخص میسر آجائے تو بڑے نصیبے کی بات ہے، بصورت دیگر عورتوں کے سرپرست حضرات اپنی بیٹیوں اور بہنوں کے لیے صرف دینداری کو معیار اور کسوٹی بنائیں اور دین دار شخص کو ترجیح دیں۔ دین کی خیروبرکت سے اللہ تعالیٰ دیگر تمام اوصاف بھی پیدا فرمادے گا۔ تاریخ اسلام میں متعدد ایسے واقعات ہیں کہ بعض اللہ والوں نے بیٹیوں کے رشتے کے حوالے سے صرف دینداری کو ترجیح دی تو اللہ تعالیٰ نے انھیں بے پناہ عزت اور شرف و بزرگی عطا فرمائی۔ اس حوالے سے پہلا واقعہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا ہے۔ پورا واقعہ تفصیلی طور پر سورۃ القصص کے تیسرے رکوع میں مذکور ہے۔ موسیٰ علیہ السلام جب مدین پہنچے تو ایک کنویں پر دو نوجوان لڑکیوں کو دیکھا جو اس انتظار میں تھیں کہ لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا کر چلے جائیں تب ہم پانی پلائیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے آگے بڑھ کر ان کی بکریوں کو پانی پلا دیا اور ایک درخت کے نیچے جا کر بیٹھ گئے۔ وہ لڑکیاں اس نوجوان کے حسن اخلاق سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں۔ واپس جا کر انھوں نے اپنے والد گرامی سے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے حسن اخلاق کی تعریف کی۔ شعیب علیہ السلام نے انھیں بلایا اور آٹھ سال مزدوری کرنے پر اپنی ایک بیٹی کا نکاح کرنے کا وعدہ کیا۔ ذرا ایک نظر سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے اس وقت کے حالات پر ڈالیں۔ آپ پردیسی کی حیثیت سے اس بستی میں پہنچے تھے۔ مادی وسائل بالکل میسر نہ تھے۔ اس تہی دستی، فقیری، مسکینی اور پردیسی کی حالت کے باوجود سیدنا شعیب علیہ السلام نے آپ کی دینداری کو ترجیح دیتے ہوئے بلاخوف وخطر آپ کو اپنا داماد بنالیا۔ یقیناً ان کا یہ فیصلہ بڑا ہی بابرکت ثابت ہوا اور اللہ تعالیٰ نے انھیں ایک جلیل القدر اور کلیم اللہ نبی کے خسر ہونے کا اعزاز عطا فرمادیا۔

سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔ سیدنا انس کے والد مالک بن نضر اسلام نہ لائے اور کفر ہی کی حالت میں قتل ہوگئے تو سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کو شادی کا پیغام بھیجا۔ سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے لیکن دورِ جاہلیت میں بھی ان کی شرافت ونجابت مسلّم تھی۔ جب سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کو یہ پیغام موصول ہوا تو انھوں نے بڑا خوبصورت جواب دیا۔ کہنے لگیں: «وَاللّٰهِ مَامِثْلُكَ يَا أَبَا طَلْحَةَ يُرَدُّ، وَلٰكِنَّكَ رَجُلٌ كَافِرٌ وَّأَنَا امْرَأَةٌ مُّسْلِمَةٌ وَلَايَحِلُّ لِي أَنْ أَتَزَوَّجَكَ فَإِنْ تَسْلَمْ فَذَاكَ مَهْرِي وَلَا أَسْأَلُكَ غَيْرَهُ فَأَسْلَمَ فَكَانَ ذٰلِكَ مَهْرُهَا» ''ابوطلحہ! اللہ کی قسم! تمھارے جیسے آدمی کا پیغامِ نکاح رد نہیں کیا جاسکتا، لیکن بات یہ ہے کہ تم غیر مسلم ہو جبکہ میں ایک مسلمان خاتون ہوں۔ اس بنا پر میرے لیے جائز نہیں ہے کہ میں تم سے شادی کروں، ہاں اگر تم اسلام قبول کرلو تو میں تم سے شادی کرلوں گی اور یہی (تمھارا قبولِ اسلام) میرا حق مہر ہوگا اور میں اس کے علاوہ کسی چیز کا تقاضا نہیں کروں گی، چنانچہ سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہوگئے اور یہی (قبول اسلام) ان کا حق مہر ٹھہرا۔'' (سنن النسائي: 3343)

سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کے اس مثالی اور ایمان افروز واقعے میں ان حیا باختہ عورتوں کے لیے بڑی عبرت اور نصیحت ہے جو اوباش لڑکوں کے عشق میں گرفتار ہوکر اپنا مسلک کیا مذہب تک تبدیل کرنے پر آمادہ ہوجاتی ہیں۔ لیکن دوسری طرف یہ اسلام کی پاکیزہ اور غیرت مند بیٹی



ہے جو اسلامی غیرت سے سرشار بڑی جرأت سے جواب دیتی ہے کہ ابوطلحہ! تمھارا شرف ومجد ایک طرف، ہو تو تم غیر مسلم ناں، اور میرا اسلام مجھے کسی غیر مسلم سے شادی کی اجازت نہیں دیتا۔ لہٰذا میرے والا دین اختیار کرلو تو یہ شادی ممکن ہے۔ خود بدلنے کی بجائے اگلے کو بدلنے کی دعوت دی۔

تہذیبِ مغرب کے اسیر نام نہاد ''عشاق'' کا کہنا ہے کہ عشق اندھا ہوتا ہے جو مسلک، مذہب اور ذات برادری نہیں دیکھتا۔ ہم ایسے گندے عشق پر لعنت بھیجتے ہیں جو ایک مسلمان سے اس کا ایمان اور اخلاق چھین لے۔

سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کی دعوت بڑی عظیم الشان تھی جو سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے قبول کرلی اور محض دین کی بنیاد پر یہ رشتہ طے پا گیا اور کس قدر بابرکت ثابت ہوا، اس حدیث کے راوی حضرت ثابت رحمہ اللہ کی زبانی ملاحظہ فرمایئے، وہ کہتے ہیں: «فَمَا سَمِعْتُ بِامْرَأَةٍ قَطُّ كَانَتْ أَكْرَمَ مَهْرًا مِنْ أُمِّ سُلَيمٍ الْإِسْلَامَ» ''میں نے آج تک کسی عورت کے بارے میں نہیں سنا کہ اس کا مہر سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کے مہر سے زیادہ عزت والا ہو۔'' (سنن النسائي:3343)

لڑکیوں کے سرپرست اکثر یہ شکوہ کرتے دکھائی دیتے ہیں کہ لڑکیوں کے لیے مناسب رشتے نہیں ملتے۔ ایک حد تک یہ بات درست ہے۔ لیکن اس کی وجوہات میں سے جہاں یہ بات ہے کہ لڑکے والوں کی طرف سے ڈیمانڈز بڑی بھاری ہوتی ہیں، وہاں یہ بھی حقیقت ہے کہ لڑکی کے سرپرست حضرات نے بھی ایسی شرائط وضع کرلی ہیں جو لڑکے کی استطاعت سے بالا ہوتی ہیں۔ مثلاً: 30,25 ہزار تنخواہ ہو، کسی پراپرٹی کا مالک ہو، اپنا ذاتی مکان ہو۔ اکثر اہل لاہور کی مزید شرط یہ ہوتی ہے کہ لاہور کا رہائشی ہو یا اگر لاہوری نہیں ہے تو لاہور میں رہنے کا وعدہ کرے، وغیرہ وغیرہ۔

ظاہر ہے جب لڑکی والوں کی طرف سے ایسی بے تکی شرائط ہوں گی تو موزوں رشتے کیسے میسر آئیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ بے شمار لڑکیاں مطلوبہ شرائط کا حامل رشتہ نہ ملنے کی وجہ سے گھروں میں بیٹھی بیٹھی بوڑھی ہو رہی ہیں اور دوسری طرف ان شرائط کی پابندی سے قاصر شریف الطبع اور بااخلاق نوجوان تجرد کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ ان ناجائز پابندیوں کے بداثرات صرف لڑکوں اور لڑکیوں تک محدود نہیں ہیں بلکہ پورا معاشرہ اس ناسور سے متاثر ہوتا ہے۔ والدین الگ سے پریشان ہیں، ہر گزرتا دن ان کی پریشانی اور بیماری میں اضافے کا باعث ہی بنتا ہے۔ ادھر نوجوانوں کو جب پاکیزہ زندگی میسر آتی دکھائی نہیں دیتی تو وہ شیطان کے آلہ کار بن کر گندگی اور فحاشی کی شاہراہ پر چل نکلتے ہیں۔ پھر ان کی مسموم نگاہیں اور غلیظ ہاتھ صرف فاحشات تک ہی محدود نہیں رہتے بلکہ بعض اوقات عفت مآب دوشیزائیں بھی ان کی ناپاک ہوس کا نشانہ بن جاتی ہیں۔ جس سے لڑائی جھگڑے اور قتل و غارت گری کا بازار گرم ہوجاتا ہے اور پورے سماج کا امن و سکون تج ہوجاتا ہے۔ اس تمام تر خرابی اور فساد کے ذمہ دار یقیناً وہ لوگ ہیں جنھوں نے دین داری کی بجائے دنیا ہی کو مطمح نظر بنا رکھا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے آج سے 14 صدیاں قبل اس فتنے کے حوالے سے یوں خبردار فرمادیا تھا: «إِذَا خَطَبَ إِلَيْكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِينَهُ وَخُلُقَهُ فَزَوِّجُوهُ، إِلَّا تَفْعَلُوا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِيضٌ» ''جب تمھیں تمھاری بچی کے لیے ایسا شخص شادی کا پیغام دے جس کے دین اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اس کے ساتھ شادی کردو (دوسری چیزوں کو زیادہ اہمیت نہ دو۔) اگر تم ایسا نہیں کروگے تو زمین میں بڑا فتنہ اور بہت زیادہ فساد ہوگا۔'' (جامع الترمذي: 1084)

اگر آپ اس فساد اور خرابی کے آگے بند باندھنا چاہتے ہیں تو آج ہی اپنی ترجیحات کو تبدیل کریں۔ اس سے دنیا میں بھی نیک نامی آپ کے حصے میں آئے گی اور آخرت میں بھی سرخروئی آپ کی قدم بوسی کرے گی۔ بصورت دیگر آپ دین اسلام کے مجرم قرار پائیں گے اور حق تعالیٰ کی ناراضی اور غضب بھی مول لیں گے۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے بڑی معنی خیز بات بیان فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں: ''لڑکی کے متعلق احتیاط بڑی اہمیت کی حامل ہے کیونکہ وہ نکاح سے لونڈی بن جاتی ہے۔ پھر وہ اس (خاوند) سے خلاصی نہیں رکھتی جبکہ خاوند ہر حال میں حق طلاق رکھتا ہے۔ جب کوئی اپنی بیٹی کا نکاح کسی ظالم، فاسق، بدعتی یا شرابی سے کردے گا تو وہ اپنے دین میں مجرم ٹھہرے گا اور اللہ کی ناراضی مول لے گا۔ (احیاء علوم الدین)



آپ کے سوالات اور ان کا حل

ابوالحسن حافظ عبدالخالق، ریسرچ فیلو دارالسلام

سوال کیا کتوں اور بلیوں کی خرید وفروخت شرعی لحاظ سے جائز ہے یا ناجائز؟ کتاب وسنت کی روشنی میں مفصل فتویٰ عنایت فرمائیں، جزاکم اللہ خیراً۔ (سائل: محمد ندیم، لاہور)

کتوں کی خرید وفروخت

جواب ہر قسم کے کتے کی خرید وفروخت ناجائز اور حرام ہے، سوائے اس کتے کے جس کی شریعت میں اجازت ملتی ہے، اور وہ صرف شکاری کتا ہے، کیونکہ حدیث میں اس کا استثناء موجود ہے، جبکہ وہ کتے جنھیں رکھنے یا پالنے کی احادیث میں اجازت منقول ہے، جیسے مویشیوں کی رکھوالی یا کھیتی کی حفاظت کے لیے رکھے گئے کتے وغیرہ، تو انھیں بلا قیمت ہی بطور ہدیہ لینا دینا چاہیے، کیونکہ شکاری کتے کی طرح رسول اللہ ﷺ سے ان کا استثناء منقول نہیں، باقی رہے وہ کتے جنھیں محض شوق یا پیار محبت کے طور پر رکھا جاتا ہے یا لڑائی کی غرض سے پالا جاتا ہے یا کاروبار کی نیت سے ان کی افزائش کی جاتی ہے تو اس قسم کے تمام کتوں کی تجارت اور خرید وفروخت تو حرام ہے ہی، ان کا پالنا اور رکھنا بھی حلال نہیں ہے۔ جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہر قسم کے ان کتوں کی خرید وفروخت کے قائل ہیں جن سے کوئی نہ کوئی فائدہ حاصل ہوتا ہو لیکن اس عموم کے ساتھ ان کے اس موقف کی کسی حدیث سے تائید نہیں ہوتی۔

خرید وفروخت کی حرمت کے دلائل

کتوں کی خرید وفروخت یا ان کے کاروبار کی حرمت کے دلائل مندرجہ ذیل احادیث مبارکہ ہیں: ابومسعود عقبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: «نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ، وَمَهْرِ الْبَغِيِّ، وَحُلْوَانِ الْكَاهِنِ» ''رسول اللہ ﷺ نے کتے کی قیمت، زانیہ کی کمائی اور کاہن کی شیرینی (نذر ونیاز) سے منع فرمایا ہے۔'' (صحيح البخاري: 2237، و صحيح مسلم: 1567)

رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: «شَرُّ الْكَسْبِ مَهْرُ الْبَغِيِّ، وَثَمَنُ الْكَلْبِ، وَكَسْبُ الْحَجَّامِ» ''بدترین کمائی زانیہ کی اجرت، کتے کی قیمت اور حجام کی کمائی ہے۔'' (صحيح مسلم: 1568)

ذہن میں رہے یہاں ''حجام'' سے مراد وہ شخص ہے جو سینگی لگاتا ہے نہ کہ معروف حجام، نیز اس کی کمائی جائز اور حلال ہے، یہاں نہی یا ممانعت

دیگر دلائل کی روشنی میں تنزیہہ پر محمول ہوگی۔ مقصد یہ ہے کہ ایسے شخص کے لیے اپنے اس کام پر معاوضہ نہ لینا ہی بہتر ہے، اگر لیتا ہے تو شرعاً کوئی حرج نہیں، لیکن کراہت ضرور ہے۔

رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کتے کی کمائی کو خبیث، یعنی بُرا اور گندا قرار دیا ہے۔ (صحیح مسلم: 41/1568)

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کتے بلی کی خرید وفروخت پر زجر وتوبیخ کی ہے۔ (صحیح مسلم: 1569)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَا يَحِلُّ ثَمَنُ الْكَلْبِ.....» ''کتے کی قیمت حلال نہیں.....۔'' (سنن أبي داود: 3484، وإسناده حسن، سنن النسائي: 4298)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: «نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَإِنْ جَاءَ يَطْلُبُ ثَمَنَ الْكَلْبِ فَامْلَاْ كَفَّهُ تُرَابًا» ''رسول اللہ ﷺ نے کتے کی قیمت سے منع فرمایا ہے، اگر کتے کی قیمت وصول کرنے کے لیے وہ آئے تو اس کی ہتھیلی مٹی سے بھر دو۔'' (سنن أبي داود: 3482، والسلسلة الصحيحة: 1303)

یہ تمام احادیث مطلق ہیں کہ ان کے تحت ہر قسم کا کتا داخل ہے لیکن چونکہ «كلبِ صيد» یعنی شکاری کتے کا استثناء موجود ہے اس لیے وہ مذکورہ عموم سے خارج ہوگیا ہے۔

اس کی دلیل سنن نسائی کی حدیث نمبر 4300 ہے، جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بلے (بلی) اور کتے کی قیمت سے منع فرمایا ہے، سوائے شکاری کتے کے، یعنی اس کی قیمت وصول کی جاسکتی ہے، یہ روایت اگرچہ سنداً ضعیف ہے لیکن اس کی تائید میں اس کے طرق و شواہد ملتے ہیں، اس لیے قابل حجت ہے۔ تفصیل کے لیے: سلسلہ صحیحہ (حدیث: 2990) کی مراجعت کی جاسکتی ہے۔ نیز اسی سلسلے کا نمبر 2971 بھی دیکھا جاسکتا ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی حدیث کے تحت لکھتے ہیں: «وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ، كَرِهُوا ثَمَنَ الْكَلْبِ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ وإِسْحَاقَ، وَقَدْ رَخَّصَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي ثَمَنِ كَلْبِ الصَّيْدِ» ''اس حدیث پر اکثر اہل علم کا عمل ہے، انھوں نے کتے کی قیمت حرام قرار دی ہے، یہ قول امام شافعی، احمد اور اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ کا ہے، جبکہ بعض اہل علم نے شکاری کتے کی قیمت میں رخصت دی ہے۔'' (جامع الترمذي، تحت حديث: 1275)

ان بعض سے مراد امام ابراہیم نخعی اور امام عطاء رحمہما اللہ ہیں جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے۔ (كتاب البيوع، من رخص في ثمن كلب الصيد، حديث: 21312، 21313، بتحقيق شيخ محمد عوامه)

جمہور ائمہ کی رائے

چونکہ جمہور علماء وائمہ کے نزدیک مذکورہ استثناء، یعنی «إِلَّا كَلْبَ صَيْدٍ» کی زیادت پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی اس لیے کتے کی خرید وفروخت کے حوالے سے خواہ جو کتا بھی ہو، ان کا موقف خاصا سخت ہے، لہٰذا وہ ہر قسم کے کتے کی قیمت اور اس کی بیع کی حرمت کے قائل ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ شرح مسلم میں لکھتے ہیں: کتے کی قیمت سے ممانعت، اس کی کمائی کا بدترین ہونا، نیز اس کی کمائی کو خبیث قرار دینا، یہ وہ دلائل ہیں جن سے اس کی خرید وفروخت حرام قرار پاتی ہے، اور بیع درست نہیں ٹھہرتی اور نہ اس کی قیمت ہی حلال ہوتی ہے، کتا خواہ تربیت یافتہ اور سدھایا ہوا ہو یا سدھایا ہوا نہ ہو، اس کے رکھنے یا پالنے کی اجازت ہو یا نہ ہو، اگر کوئی اسے ہلاک کردے تو اس پر کوئی قیمت و جرمانہ اور چٹی نہ ہوگی، یہی جمہور علماء کا قول ہے۔ (شرح نووی: 10/333)

ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی فتح الباری (4/426,427) میں جمہور کی یہی رائے نقل فرمائی ہے۔

صاحب عون المعبود نے امام شوکانی رحمہ اللہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ اگر مذکورہ بالا استثناء قابل حجت ہو تب تو مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا وگرنہ نہیں، یعنی زیادت کے عدم احتجاج کی صورت میں بلا استثناء ہر قسم کے کتے کی خرید وفروخت حرام قرار پائے گی، دیکھیے: عون المعبود 5/270، مطبوعہ مکتبۃ المعارف۔

تو دریں صورت جمہور کے نزدیک جن کتوں کے رکھنے کی اجازت ہے انھیں ہدیتاً اور بلا قیمت ہی لینا دینا ہوگا، یہ جود وسخا اور اعلیٰ انسانی اقدار کی دلیل ہے۔

بلیوں کی خرید وفروخت

جہاں تک بلیوں کی خرید وفروخت کا معاملہ ہے تو شرعاً ہر نسل اور ہر قسم کی بلی کی خرید وفروخت ممنوع اور حرام ہے۔ خواہ ایک بلی ہو یا بڑے پیمانے پر ان کی تجارتی منڈی میں خرید وفروخت ہوتی ہو، اس حوالے سے قرآن وسنت کی کوئی ایسی دلیل معلوم نہیں ہوسکی جس کی بنا پر کسی ضرورت کے تحت ان کی قیمت یا ان کے کاروبار کو جائز قرار دیا جاسکے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ ابوزبیر نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے کتے اور بلے (بلی) کی قیمت اور خرید وفروخت کے حوالے سے پوچھا تو انھوں نے صاف طور پر جواب دیا: «زَجَرَ النَّبِيُّ ﷺ عَنْ ذٰلِكَ» ''نبی کریم ﷺ نے اس سے ڈانٹا ہے۔'' (صحيح مسلم: 1569، سنن البيهقي: 10/6، السلسلة الصحيحة، حديث: 2971)

سنن ابی داود میں ایک دوسری سند سے یہ روایت آئی ہے، فرمایا: «أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ والسِّنَّورِ» ''یقیناً نبی کریم ﷺ نے کتے بلی کی قیمت سے منع فرمایا ہے۔'' (سنن أبي داود: 3479) انھی کی ایک روایت کے یہ الفاظ بھی ہیں: «نَهٰى عَنْ ثَمَنِ الْهِرَّةِ» ''آپ علیہ السلام نے بلی کی قیمت سے روکا ہے۔'' (سنن أبي داود: 3480)

مذکورہ بالا احادیث صحیحہ کی روشنی میں معلوم ہوا کہ بلی کی خرید وفروخت کی ممانعت ونہی شرعاً موجود ہے، اور اصولی طور پر کسی چیز سے ممانعت و نہی اس کی تحریم کا تقاضا کرتی ہے۔ بشرطیکہ اس کے حقیقی معنی (تحریم) سے پھیرنے والی کوئی مستند دلیل موجود نہ ہو، چونکہ یہاں کوئی قرینہ صارفہ موجود نہیں اس لیے مذکورہ نصوص کی روشنی میں بلی کی قیمت وصول کرنا شرعاً حرام ٹھہرتا ہے۔ صحابہ کرام میں اس موقف کے حامل سیدنا جابر اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما ہیں جبکہ تابعین عظام میں سے امام طاؤس اور مجاہد رحمہما اللہ ہیں۔ (الأوسط لابن المنذر: 28/10، كتاب البيوع، طبع جديد، دارالفلاح)

یہاں اس مسئلے میں جمہور علماء وائمہ کا موقف کتے کی قیمت کی حرمت کے برعکس بلی کی خرید وفروخت کے جواز کا ہے بشرطیکہ اس سے کسی قسم کا فائدہ حاصل ہوتا ہو۔ لیکن ان کے پاس اس موقف کی کوئی قوی نص و دلیل موجود نہیں۔ پھر یہ بھی ذہن میں رہے کہ کسی چیز سے ضرورت کے پیش نظر انتفاع سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کی خرید وفروخت بھی جائز ہو، جیسے سخت اضطرار یا ضرورت کے وقت مردار یا سور کا کھانا جائز ہے لیکن کیا اس اجازت سے ان کی خرید وفروخت بھی جائز ہوگی؟ یقیناً نہیں۔ (مزید دیکھیے: الأوسط: 26/10، معالم السنن مع مختصر المنذري: 128/5)

صاحب عون لکھتے ہیں کہ کچھ کا موقف یہ ہے کہ احادیث میں وارد ممانعت ونہی بجائے تحریم کے تنزیہہ پر محمول ہوگی لیکن یہ تو نہی کو اس کے حقیقی معنی (حرمت) سے کسی دلیل کے بغیر خارج کرنے والی بات ہے۔ (عون المعبود: 269/5، طبعه مكتبة المعارف)

علامہ امیر صنعانی سبل السلام 52/3 میں لکھتے ہیں: «وَقَدْ ذَهَبَ إِلٰى تَحْرِيمِ بَيْعِ السِّنَّورِ أَبُوهُرَيرَةَ وَطَاوُسٌ وَمُجَاهِدٌ، وَذَهَبَ الْجُمْهُورُ إِلٰى جَوَازِ بَيْعِهِ إِذَا كَانَ لَهُ نَفْعٌ، وَحَمَلُوا النَّهْيَ عَلَى التَّنْزِيهِ وَهُوَ خِلَافُ ظَاهِرِ الْحَدِيثِ» ''ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، طاؤس اور مجاہد رحمہ اللہ بلے (بلی) کی بیع کی حرمت کے قائل ہیں جبکہ جمہور اس کی بیع کے جواز کا موقف رکھتے ہیں، بشرطیکہ وہ انتفاع کا باعث ہو، انھوں نے نہی کو تنزیہ پر محمول کیا ہے لیکن تنزیہ پہ محمول کرنا حدیث کے ظاہر کے خلاف ہے۔''

المختصر بلیوں کی تجارت یا خرید وفروخت کے حق میں شرعاً کوئی دلیل معلوم نہیں، وباللہ التوفیق۔

سوال کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ مسمّٰی عبدالباسط ولد محمد بشیر نے عائشہ صدیقہ دختر نذر حسین کو حالت حیض میں ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دی ہیں، آیا ازروئے شرع متین حالت حیض میں طلاق واقع ہوتی ہے؟ اگر بحالت حیض طلاق واقع ہوتی ہے تو کیا بہ یک وقت تینوں ہی واقع ہوں گی یا صرف ایک رجعی طلاق ہی؟

(سائل محمد بشیر، شاہدرہ لاہور)

جواب بشرط ثبوت و صدق وصحتِ صورت مسئولہ میں بحالت حیض عمومات قرآن اور احادیث صحیحہ صریحہ کی روشنی میں راجح قول کے مطابق طلاق واقع ہوجاتی ہے، اس کی دلیل ابن عمر رضی اللہ عنہما کا وہ واقعہ ہے جسے بخاری ومسلم وغیرہ نے متعدد روایات کی روشنی میں نقل کیا ہے۔ انھوں نے بحالت حیض اپنی زوجہ کو ایک طلاق دی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں رجوع کا حکم دیا، سخت ناراض ہوئے اور اسے ایک طلاق شمار فرمایا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: «حُسِبَتْ عَلَيَّ بِتَطْلِيقَةٍ» ''وہ میرے حق میں ایک طلاق شمار ہوئی تھی۔'' (صحیح البخاري: 5253)

راوی عبیداللہ نے نافع (جو کہ ابن عمر کے آزاد کردہ غلام تھے) سے پوچھا: «مَا صَنَعَتِ التَّطْلِيقَةُ» ''اس طلاق کا کیا بنا'' انھوں نے جواب دیا: «وَاحِدَةٌ اُعْتُدَّ بِهَا» ''اسے ایک طلاق شمار کر لیا گیا تھا'' سالم بن عبداللہ کے واسطے سے منقول ہے کہ اسے ایک شمار کیا گیا تھا۔ (صحیح مسلم:1471، غیر مکرر)

یونس بن جبیر کے واسطے سے منقول ہے کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا: «أَفَتَحْسِبُ بِهَا؟» کیا آپ اسے شمار کرتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: اس میں کیا مانع ہے؟ (صحیح مسلم:1471 غیر مکرر)

مسند طیالسی اور دار قطنی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے ایک شمار فرمایا، مزید تفصیل کے لیے: الروضۃ الندیۃ: 2/ 246- 248، تحقیق الألبانی، اور ارواء الغلیل حدیث نمبر:2054 کے تحت مختلف روایات کی تحقیقات وتخریجات دیکھی جاسکتی ہیں۔

باقی رہا یہ سوال کہ آیا تین طلاقیں بہ یک وقت تینوں ہی واقع ہوجاتی ہیں یا نہیں؟ تو اس بارے میں بھی قرآن وحدیث کی روشنی میں بہ یک وقت تین دی ہوئی طلاقیں صرف ایک رجعی طلاق ہی شمار ہوتی ہیں۔ اس کے منجملہ دلائل میں سے ایک دلیل صحیح مسلم میں مروی ابن عباس کی حدیث نمبر 3673 ہے، وہ فرماتے ہیں: «كَانَ الطَّلَاقُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ وَ سَنَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةٌ.....» ''رسول اللہ ﷺ کے عہد میں، خلافت ابوبکر اور خلافت عمر کے ابتدائی دو سالوں تک تین طلاقیں صرف ایک رجعی طلاق ہی شمار ہوتی تھیں۔''

نیز سورۂ بقرہ آیت نمبر228 میں ارشاد عالی ہے: ﴿وَبُعُولَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا﴾ ''اور ان کے شوہر انھیں (بیویوں کو) عدت کے اندر اندر واپس لوٹانے کے زیادہ حق دار ہیں، بشرطیکہ وہ اصلاح کا ارادہ رکھتے ہوں۔''

رواداری سے کام لیجیے

مولانا حکیم محمد ادریس فاروقی رحمہ اللہ

''پاکستان میں متعدد مذاہب ومسالک پائے جاتے ہیں۔ ہر ایک کا اپنا اپنا عقیدہ اور نظریہ ہے۔ اور بقول قرآن ﴿كُلُّ حِزْبٍ بِّمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ﴾ ''ہر گروہ اپنے عقائد ونظریات پر خوش اور مطمئن ہے۔'' (المؤمنون 53:23) وہ سب ایک دوسرے کے قریب قریب رہتے اور کاروبار کرتے ہیں اور بہت سے آپس میں رشتہ دار بھی ہیں۔ لہٰذا ہمیں جھگڑنے اور الجھنے کی بجائے باہم رواداری سے کام لینا چاہیے۔ اور ایک دوسرے پر فتوے جڑنے اور فقرے کسنے سے گریز کرنا چاہیے۔ خصوصاً شیعہ سنی، حنفی، اہلحدیث جماعتوں کو، جن کی ملک میں بھاری اکثریت ہے، باوجود آپس میں نظری، فکری اور اعتقادی اختلافات رکھنے کے رواداری کا ثبوت دینا چاہیے۔ ایک دوسرے سے محاذ آرائی، باہمی سر پھٹول، خاص طور پر ہماری مذہبی اور مہذب جماعتوں کو زیب نہیں دیتی۔ دشمن ہمیں لڑانا چاہتا ہے۔ مگر ہمیں باہمی رواداری اور اخلاق وایثار کا مظاہرہ کرکے اس کے سر پر خاک ڈالنی چاہیے۔ مگر دکھ سے کہنا پڑتا ہے عمومی طور پر اس کے برعکس ہر فرقہ دوسرے فرقے کو غضب ناک نگاہوں سے دیکھتا ہے۔ شیعہ سنی فرقے تو رہے ایک طرف، مگر سنی فرقے بھی ایک دوسرے کو گوارا نہیں کرتے۔ غیر مسلموں میں شاید اتنا بغض نہ ہو جتنا باہم سنیوں میں دکھائی دیتا ہے۔ کل تک لوگ دیوبندیوں اور اہلحدیثوں کو بہ نسبت دوسرے فرقوں کے ایک دوسرے کے زیادہ قریب سمجھتے تھے۔ مگر آج یہ قرب بھی گہنایا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ بقول کسے، معمولی ترمیم کے ساتھ۔

حسد کے شرارے ہیں دل میں ہمارے
جنھیں ہم بغض کی ہوا دے رہے ہیں

اہلحدیثوں نے دیوبندیوں سے بسلسلہ تقلید وجمود اختلاف ضرور کیا ہے لیکن ہمیشہ ان کا احترام روا رکھا ہے۔ اور یہ اختلاف بھی کوئی ذاتی بنیاد پر نہیں کیا، بلکہ کتاب وسنت کی بنیاد پر کیا۔ اور اس میں گفتگو بھی عالمانہ انداز میں دلائل کی روشنی میں کی۔'' (اقتباس اداریہ، جولائی 2004ء)

① چار خوبیاں؟

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''چار خوبیاں جب تم میں ہوں اور دنیا کا کچھ رہ بھی جائے تو تمھیں اس کی کوئی پروا نہیں۔ وہ خوبیاں یہ ہیں: ① امانت کی حفاظت ② سچائی پر مبنی گفتگو ③ عمدہ اخلاق ④ حلال پر اکتفا۔ (مسند احمد: 2/177)



② آسودہ حالی میں دعائیں

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَّسْتَجِيبَ اللّٰهُ لَهُ عِنْدَ الشَّدَائِدِ وَالْكُرَبِ فَلْيُكْثِرِ الدُّعَاءَ فِي الرَّخَاءِ» ''جو شخص چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سختیوں، پریشانیوں اور تکالیف میں اس کی دعا قبول کرے تو اسے چاہیے کہ وہ آسودہ حالی میں کثرت سے دعا کیا کرے۔'' (جامع الترمذی: 3382)

③ عاجز اور بخیل ترین شخص

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أَعْجَزُ النَّاسِ مَنْ عَجَزَ عَنِ الدُّعَاءِ وَأَبْخَلُ النَّاسِ مَنْ بَخِلَ بِالسَّلَامِ» ''عاجز ترین شخص وہ ہے جو دعا سے عاجز آجائے اور بخیل ترین شخص وہ ہے جو سلام کرنے میں بخل کرے۔'' (السلسلة الصحيحة: 2/150، حدیث: 601)

④ تین لوگ اللہ کی ضمانت میں

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «ثَلَاثَةٌ فِي ضَمَانِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ: رَجُلٌ خَرَجَ إِلَى الْمَسْجِدِ مِنْ مَسَاجِدِ اللّٰهِ، وَرَجُلٌ خَرَجَ غَازِيًا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، وَرَجُلٌ خَرَجَ حَاجًّا» ''تین قسم کے لوگ اللہ کی ضمانت میں ہیں: ① جو شخص اللہ کی مساجد میں سے کسی مسجد کی طرف جائے۔ ② جو اللہ کے راستے میں جنگ کرنے کے لیے نکلے اور ③ جو شخص حج کے لیے نکلے۔'' (مسند الحمیدی: 1190)

⑤ عہد کی پاسداری

سیدنا ابورافع کہتے ہیں (صلح حدیبیہ کے بعد) قریش نے مجھے رسول اللہ کے پاس بھیجا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو میرے دل میں اسلام داخل کر دیا گیا۔ میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! میں اب قریش کی طرف واپس نہیں جاؤں گا۔ فرمایا: ''میں عہد شکنی نہیں کرتا اور نہ قاصدوں کو قید کرتا ہوں، لہٰذا تم واپس چلے جاؤ۔ تو اگر تمھارے دل میں وہی بات (اسلام) ہوئی جو اب ہے تو واپس آجانا۔'' ابورافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں واپس چلا گیا، پھر دوبارہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام لے آیا۔ (سنن أبی داود: 2758)

8 اکتوبر 2005ء کے زلزلے سے پھوٹنے والی

ایمان کی کرنیں



زلزلۂ بلوچستان کے سلسلے میں تعاون کرنے والوں کے لیے راہ نما تحریر

ارشاد احمد ارشد

کہتے ہیں کہ ہر منفی بات کا ایک مثبت پہلو ہوتا ہے اور ہر تخریب میں ایک تعمیر پوشیدہ ہوتی ہے۔ 8 اکتوبر کے زلزلے میں بھی یہی کچھ ہوا۔ اور 24 ستمبر 2013ء کے زلزلے کے بعد بھی اس سے ملتی جلتی صورتِ حال ہی سامنے آئے گی۔ یہ درست ہے کہ 2005ء میں تباہی بہت بڑی تھی لیکن جتنی بڑی تباہی تھی لوگوں کا جذبہ ایثار و محبت اس سے کہیں زیادہ تھا۔ زلزلے کی اصل صورت حال دو تین دن بعد سامنے آئی لیکن پاکستانی قوم پہلے دن ہی ہوشیار و بیدار ہوگئی، اور مصیبت زدہ بھائیوں سے تعاون و محبت کی مثالیں لکھی جانے لگیں۔ پاکستانی قوم کے اس جذبہ ایثار و محبت کو دیکھتے ہوئے بہت سے غیر مسلم غیر ملکی امدادی کارکن مسلمان ہوگئے۔

8 اکتوبر کا زلزلہ ہو یا 24 ستمبر کا یہ ایسے سانحات نہیں کہ جنھیں مہینوں یا سالوں میں فراموش کر دیا جائے بلکہ ان کی کسک اور درد مدت تک رہے گی اور غم و الم کا دھواں سالہا سال تک اٹھتا رہے گا۔ یہ درست ہے کہ جن مارکیٹوں، دکانوں، پلازوں اور بازاروں کو زلزلے ویران کردیتے ہیں وہ دوبارہ تعمیر ہوجاتے ہیں، جو مکانات منہدم ہوتے ہیں وہ بھی کسی نہ کسی صورت ایستادہ ہوچکے ہوتے ہیں، سرسبز و شاداب جنگلوں، باغوں، گھنے درختوں، صحرا میں کھجور کے درختوں اور اونچی نیچی گھاس میں گھرے یہ نوتعمیر شدہ مکانات پہلے سے زیادہ خوبصورت بھی لگتے ہیں۔ نوتعمیر شدہ مکانات دیکھ کر آدمی سمجھتا ہے کہ اب ان علاقوں کے لوگوں کے لیے راوی نے چین ہی چین لکھ دیا ہے۔ اب یہاں ہر طرف آرام ہے، سکون ہے، راحت ہے اور شادمانی ہے۔ لیکن..... صورت حال ایسی نہیں ہوتی اور حالات ایسے خوشگوار نہیں ہوتے جیسے بظاہر نظر آتے ہیں۔

ابھی قوم کے پرانے زخم تازہ تھے کہ بلوچستان کا علاقہ آواران زلزلے کی زد میں آگیا۔ لمحہ بھر میں پورا علاقہ ملبے کا ڈھیر بن گیا۔ نہ جانے اس زلزلے کے زخم کتنی دیر میں مندمل ہوں گے!!

حقیقت یہ ہے کہ متاثرین کے ٹوٹے ہوئے مکانات تو تعمیر ہوجاتے ہیں لیکن ان کے ٹوٹے ہوئے دل نہیں جڑتے۔ ان لوگوں کی روحیں بدستور شکستہ، ارمان بکھرے ہوئے اور زخم تاحیات تازہ رہتے ہیں۔

مظفرآباد کے نواح میں ایک ایسا ہی مکان تھا جو 2005ء کے زلزلے میں مکمل منہدم ہوگیا، اس مکان کے کچھ مکین موقع پر جان بحق ہوگئے اور کچھ زخمی ہوکر ہسپتالوں میں پہنچ گئے۔ مکینوں میں سے ایک دو ہی تھے جو صحیح سلامت رہے۔ زلزلے سے پہلے یہ مکان بہت خستہ و بوسیدہ



تھا، اب اس کی جگہ تعمیر ہونے والا نیا اور خوبصورت مکان دور ہی سے لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کروالیتا ہے۔ زلزلہ سے پہلے یہاں جو مکان تھا وہ بھی میرا دیکھا بھالا تھا اور زلزلہ کے بعد جو نیا مکان بنا اسے بھی کچھ عرصہ پہلے اندر باہر سے دیکھنے کا موقع ملا۔ باہر سے وہ مکان جتنا خوبصورت تھا اندر کی صورت حال اتنی ہی مختلف تھی۔ اس کا ایک کمرا بہت ہی ابتر حالت میں تھا، کمرے میں جا بجا سگرٹوں کے ٹکڑے بکھرے ہوئے اور نشے کی بدبو کا راج تھا۔ چند ٹوٹی کرسیاں اور کرسیوں کے ساتھ ایک ٹوٹی میز کو اینٹوں کے سہارے کھڑا کیا گیا تھا۔ میز پر پھٹی پرانی سکول کی کاپیاں کتابیں اور کرسی پر کچھ بوسیدہ بچگانہ کپڑے پڑے تھے۔

کمرے میں کاٹھ کباڑ تھا، ٹوٹا آئینہ، دو تین پھٹے پرانے اٹیچی کیس جن میں زنانہ کپڑے ٹھونسے ہوئے تھے، ٹوٹی کانچ کی چوڑیاں اور کچھ پرانے ٹوٹے ہوئے برتن اس کمرے کا کل اثاثہ تھے۔ ایک طرف خستہ بیڈ پر ایک آدمی لیٹا ہوا، چہرے پر ویرانی کا راج، پاگل پن کے نشانات، آنکھوں میں وحشت ناچ رہی تھی اور ساتھ بیساکھیاں پڑی ہوئی تھیں۔ اس آدمی کا المیہ یہ ہے کہ زلزلے میں اس کے چار بیٹے فوت ہوچکے ہیں، چاروں ابھی چھوٹے تھے۔ یہی دوسری سے پانچویں جماعت تک کے طالب علم۔ بچے سکول میں فوت ہوگئے اور گھر بیوی کا مدفن بن گیا، اس کی اپنی ٹانگیں زلزلے میں چور چور ہوگئیں اور گہری جسمانی و دماغی چوٹیں بھی آئیں۔ زلزلے کے دوسرے دن اسے آرمی والے ہیلی کاپٹر پر بغرض علاج CMH راولپنڈی لے گئے۔ وہاں کافی دن یہ دواؤں کے زیراثر نیم مدہوشی کی حالت میں رہا۔ جب اسے کچھ ہوش آیا اور صحتمند ہوا تو ہسپتال والوں کے لیے وبال بن گیا۔ صبح کے وقت اچانک بیڈ سے کھڑا ہوتا اور لنگڑاتا ہوا وارڈ سے باہر نکل جاتا۔ جب پوچھا جاتا کہاں جانا چاہتے ہو تو کہتا: میرے بچوں کے سکول جانے کا وقت ہوگیا ہے۔ نام لے لے کر بچوں کو آوازیں دیتا کہ چلو تیار ہوجاؤ میں تمھیں سکول چھوڑ آؤں۔ یہی حرکت دوپہر کے وقت بھی کرتا کہ اب میں بچوں کو سکول سے لینے جارہا ہوں۔ وارڈ بوائے اسے پکڑتے، وارڈ میں واپس لے جاتے اور بیڈ پر لٹاتے تو وہ خود کو زبردستی چھڑا لیتا اور شور کرتا ہوا وارڈ سے باہر آجاتا اور کہتا: مجھے جانے دو، میرے بچے میرا انتظار کررہے ہیں، میرا سب سے چھوٹا بیٹا سنی بھی انتظار کررہا ہے، وہ جب تک میرا ہاتھ نہ پکڑ لے ایک قدم بھی نہیں چلتا۔ وہ ماں کے ساتھ بھی نہیں جاتا، وہ تو میرے بغیر کھانا بھی نہیں کھاتا اور رات کو جب تک میرے سینے پر اپنا سر نہ رکھ لے اسے نیند ہی نہیں آتی۔ پھر وہ ڈاکٹروں کی منت سماجت کرتا اور انھیں اپنے بیٹے سنی کے واسطے دیتا۔ ڈاکٹرز، موقع پر موجود دیگر عملہ اور نرسیں اس کی باتیں سن کر سسک اٹھتے اور تڑپ کر رہ جاتے۔

اس کے گھر کے قریب ہی وہ پانچ قبریں ہیں جہاں اس کے بیوی بچے ابدی نیند سو رہے ہیں۔ وہ اکثر رات کے وقت ان قبروں پر پہنچ جاتا اور ساری ساری رات خود کلامی کے انداز میں باتیں کرتا رہتا۔ زلزلے سے پہلے میری اس سے کئی ملاقاتیں ہوچکی تھیں۔ وہ بہت صحت مند تھا، چمکتا روشن چہرہ جس پر خون کی لالی، ساڑھے چھ فٹ سے نکلتا ہوا قد، چوڑا سینہ، لمبے بازو، مضبوط ہاتھ، تراشیدہ بال اور بہت رعب داب والا انسان تھا۔ لیکن زندگی کے آخری ایام میں سوکھ کر کانٹا ہوگیا، آنکھیں اندر کو دھنس گئیں، چہرہ مرجھا گیا، دانت پیلے پڑ گئے، ہونٹ سوکھ گئے..... حیرت انگیز یہ بات ہوئی کہ گزشتہ سال 8 اکتوبر کا دن تھا، یعنی وہ دن اور عین وہ وقت جب قیامت خیز زلزلہ آیا تھا..... اس ہوش وخرد سے بیگانے انسان نے اپنی جان جان آفرین کے سپرد کی۔ جب اس کی روح نے جسد خاکی سے پرواز کی تو وہ اپنے معصوم بچوں کی قبروں سے لپٹا ہوا اور چمٹا ہوا تھا۔

اس طرح کا ایک اور واقعہ ہے۔ مظفر آباد میں ایک صاحب تھے۔ نہایت آزادمنش، گھر کے معاملے میں بہت لاپروا اور بے پروا قسم کے۔ ان کے 5 بچے تھے گھر میں غربت تھی۔ بمشکل گھر کے اخراجات پورے ہوتے تھے۔ ان کا ایک دوست تھا بہت امیر کبیر مگر لاولد تھا، وہ ایک دن کہنے لگا: اگر تم اپنا چھوٹا بیٹا، جس کی عمر اس وقت چار ماہ تھی، مجھے دے دو تو میرا آنگن خوشیوں سے بھر جائے گا۔ اور میں اس بچے کے عوض تمھیں تین لاکھ روپے دوں گا۔ ان صاحب نے جب گھر آکر اپنی بیوی سے بات کی تو وہ عورت صرف اس کی بیوی ہی نہیں بلکہ بچوں کی ماں بھی تھی۔ وہ اپنے خاوند کی



بات سن کر تڑپ اٹھی۔ ممتا کا سینہ غم واندوہ سے بھر گیا، کہنے لگی: ''تمھارا دوست گیا بھاڑ میں وہ تین لاکھ تو کیا تین کروڑ روپے بھی دے دے تو اپنے بچے کا ایک بال بھی اسے نہ دوں۔'' جب زلزلہ آیا تو خاوند اور بیوی دونوں آسودہ خاک ہو گئے اور وہاں چلے گئے جہاں سے کبھی کوئی واپس نہیں آیا۔ ان کے سب سے چھوٹے بیٹے کی عمر زلزلے کے وقت پانچ ماہ تھی۔ سب سے بڑی بیٹی جس کی عمر زلزلے کے وقت 10 برس تھی۔ ماں اور باپ کی وفات کے بعد پانچ ماہ سے 10 برس کی عمر کے یہ معصوم بچے اس طرح بکھر اور بچھڑ گئے جس طرح موسم خزاں میں پھولوں کی پتیاں جھڑتی اور بکھر جاتی ہیں۔ زلزلے کے بعد سب سے قابل رحم حالت سب سے چھوٹے بچے کی تھی۔ وہ معصوم اور ننھا فرشتہ جس کی ابھی آغوش مادر میں ہمکنے اور قلقاریاں مارنے کی عمر تھی، جو ابھی شیر مادر کے علاوہ کوئی چیز پی سکتا تھا نہ چبا سکتا تھا اور نہ ہضم کر سکتا تھا۔ وہ نرم وگرم اور مہربان آغوش مادر سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو کر ملک پیک پینے اور یخ بستہ و رگوں میں برف جما دینے والے خیمے میں رہنے پر مجبور ہو گیا۔ اس کے بعد اس بچے پہ کیا گزری۔ یہ رلا دینے اور تڑپا دینے والی طویل کہانی ہے۔ زندہ بچ رہنے والے یہ تین بھائی اور ایک بہن زلزلے کے تھوڑا ہی عرصہ بعد اکٹھے رہ سکے۔ اس کے بعد یہ چاروں بکھر گئے، معصوم بہن کسی کے ہاتھوں میں اور بھائی الگ الگ اجنبی ہاتھوں میں پہنچ گئے۔

وہ یتیم بچہ جس کی عمر زلزلے کے وقت 4 ماہ تھی وہ 8 اکتوبر 2013ء کو 9 سال 4 ماہ کا ہو جائے گا لیکن وہ ابھی نہیں جانتا کہ 8 اکتوبر 2005ء کو وہ، اس کے بہن بھائی اور والدین کس قیامت سے گزر چکے ہیں۔ یہ بات معلوم ہے کہ اس طرح کے حادثات اور سانحات بچوں سے چھپے نہیں رہ سکتے۔ بچے جب شعور کی منزل پر قدم رکھتے ہیں تو وہ بہت کچھ دیکھتے اور سمجھ جاتے ہیں۔ جب یہ بچہ تھوڑا سا بڑا ہو گا تو بہت کچھ اس کے علم میں آ جائے گا۔ جب اسے معلوم ہو گا کہ اس کے حقیقی والدین فوت ہو چکے ہیں تو وہ دن اس کے لیے 8 اکتوبر 2005ء کا دن ہو گا۔ تب اس کے دل پر جو گزرے گی، اس کی روح جس طرح تڑپے گی اور بے قرار ہو گی اس کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں۔ اسی طرح 24 ستمبر کے بلوچستان کے زلزلے کی نذر ہونے والوں کے پسماندگان ایسے کئی مسائل اور مشکلات کا سامنا کریں گے اور جس طرح ان کی روحیں تڑپیں گی اس کا اندازہ انھی کو ہو گا۔ اس لیے کہ سمندر اور طوفان کی لہریں جب اٹھتی ہیں، ساحل اور کناروں سے ٹکراتی اور سر پٹختی ہیں تو کناروں پر کھڑے لوگ اس منظر سے بہت محظوظ اور لطف اندوز ہوتے ہیں لیکن لوگوں کے گھروں کی کچی دیواروں سے جب وہ سرکش لہریں ٹکراتی ہیں، ان کے دلوں پر کیا گزرتی ہے اس کا اندازہ کوئی دوسرا شخص نہیں کر سکتا۔

آیئے! اب 8 اکتوبر 2005ء کے زلزلے کا ایک اور پہلو سے جائزہ لیتے ہیں۔ یہ پہلو ایسا ہے کہ جس پر ابھی تک کچھ نہیں لکھا گیا۔

8 اکتوبر کا زلزلہ اللہ کی طرف سے تنبیہ تھی۔ قدرت کی طرف سے جب اس طرح کی تنبیہ انسانوں کو دی جاتی ہے تو عموماً دو طرح سے اس کے نتائج سامنے آتے ہیں: اولاً..... بہت سے لوگ تنبیہ سے سبق حاصل کرتے اور عبرت پکڑتے ہوئے سرکشی و بغاوت، گناہ و معصیت کا راستہ چھوڑ کر نیکی و سچائی والا اور ایمان و یقین کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ ثانیاً..... کچھ لوگ اللہ کی طرف سے دی ہوئی تنبیہ سے سبق حاصل کرنے کی بجائے گناہ و معصیت کی دلدل میں مزید ڈوب جاتے اور سرکشی و بغاوت کے راستے پر مزید آگے بڑھ جاتے ہیں۔

ہم اس بات کو یوں بھی سمجھ سکتے ہیں کہ ایک جگہ پر یکساں بارش برستی ہے۔ بارش کا پانی خاصیت کے اعتبار سے ایک ہی جیسا ہوتا ہے لیکن وہ زمین جہاں بارش برس رہی ہو اس کی ہیئت و ساخت مختلف ہونے کی وجہ سے بارش کے اثرات مختلف ہو جاتے ہیں۔ کہیں سے زمین زرخیز ہوتی ہے اس پر جب بارش برستی ہے تو وہاں لالہ وگل لہلہاتے، پھول مہکتے اور اپنی خوشبو بکھیرتے ہیں۔ کہیں سے زمین پتھریلی و سخت ہوتی ہے، اس زمین پر بارش ٹھہرتی ہے اور نہ اثر کرتی ہے۔ کسی جگہ زمین میں جوہڑ ہوتے ہیں، بارش کا پانی ان میں ٹھہر جاتا ہے، یہ پانی بدبو و تعفن پیدا کرتا ہے۔ اس پانی میں مچھر، زہریلے کیڑے مکوڑے، بچھو اور سانپ پلتے ہیں جو لوگوں کے لیے ایذا و عذاب اور پریشانی کا سبب بنتے ہیں۔

ایسے ہی انسانوں کی بھی مختلف قسمیں ہوتی



ہیں۔ کچھ لوگ اللہ کی طرف سے آئے ہوئے عذاب کو دیکھ کر عبرت پکڑتے ہیں اور کچھ پہلے سے بھی زیادہ ذلت کی اتھاہ گہرائیوں میں گرتے چلے جاتے ہیں۔

8 اکتوبر 2005ء کے زلزلے میں بھی ایسے ہی ہوا ہے۔ بہت سے لوگوں نے زلزلے سے عبرت پکڑی اور گناہ و معصیت سے ہمیشہ کے لیے تائب ہوگئے۔ ایسے لوگوں کے لیے زلزلہ گناہ سے تائب ہونے اور نیکی کے راستے پر چلنے کا سبب بن گیا۔

زلزلے کے بعد مظفر آباد اور بالا کوٹ میں بہت سے لوگوں سے ملاقات ہوئی جنھوں نے اس ضمن میں نہایت ایمان افروز واقعات سنائے۔ ان لوگوں نے موت اور زندگی کو پل پل ایک دوسرے پر حاوی ہوتے دیکھا۔ موت کے جبڑوں نے ان کو بری طرح دبوچ لیا اور نگل لیا۔ زندہ بچ جانے کی ایک فیصد بھی امید نہ رہی۔ لیکن پھر بھی زندہ بچ گئے۔ تب ان لوگوں نے باقی زندگی کو غنیمت جانا اور عہد کر لیا کہ زندگی اللہ کی امانت ہے۔ امانت میں خیانت نہیں کریں گے اور اللہ کے احکامات کی پیروی کریں گے۔ زلزلے کے بعد بالا کوٹ میں ایک ایسے ہی سرکاری ملازم سے ملاقات ہوئی۔ اس نے بتایا کہ جب زلزلہ آیا، میں شیو کی تیاری کر رہا تھا۔ میرے گھر والے سوئے ہوئے تھے۔ بچے ابھی چھوٹے تھے، سکول نہیں جاتے تھے۔ وہ بھی ماں کے ساتھ سوئے ہوئے تھے۔ میں شیو بنانے کے لیے چہرے پر صابن مل رہا تھا۔ اب ریزر ہاتھ میں تھا جیسے ہی شیو بنانے کے لیے ریزر چہرے پر رکھنے لگا اچانک یوں لگا جیسے زمین میرے پاؤں سے کھسک گئی ہو۔ ریزر ہاتھ سے چھوٹ گیا، میں زمین پر گر پڑا۔ اٹھنے کی کوشش کرتا پھر گر پڑتا۔ چھوٹے سے باتھ روم میں فٹ بال کی طرح لڑھک رہا تھا۔ جب زمین تھمی تو میں نے اپنے آپ کو دیکھا، کئی جگہ چوٹیں آئی تھیں۔ خون رس رہا تھا اور درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ گرتے پڑتے ہانپتے کانپتے واش روم سے باہر نکلا بیوی بچوں کو دیکھنے کے لیے۔ باہر کا منظر ہی بدلا ہوا تھا۔ جس کمرے میں بیوی بچے تھے اس کی چھت گری ہوئی تھی۔ دروازہ اس طرح گرا تھا کہ اندر جانے کا راستہ بند ہوگیا تھا۔ بیوی بچوں کو پکارا دیوانوں کی طرح آوازیں دیں، چیخا، چلایا، اندر گہری خاموشی تھی۔ کوئی جواب نہیں مل رہا تھا۔ گری ہوئی چھت پر چڑھا تو ایک جگہ سے اندر جانے کا راستہ نظر آیا، وہاں سے اندر جھانکا تو میری بیوی اور دو پھول سے بچے خون میں لت پت پڑے تھے۔ چھت کا بیم جس طرح ان پر گرا ہوا تھا اسے دیکھ کر سمجھنا مشکل نہ تھا کہ ان کو چیخنے کا موقع بھی نہ ملا ہوگا۔ میرے بیوی بچوں کی لاشیں دو دن تک چھت کے نیچے دبی رہیں۔ یہ دو دن میں نے کیسے گزارے؟ میں جانتا ہوں یا آسمان والا جانتا ہے۔ لاشوں کو چھت کے نیچے سے کیسے نکالا گیا یہ ایک الگ آنسوؤں میں ڈوبی کہانی ہے۔ یہ ایسے لمحے تھے جنھوں نے میری زندگی کی کایا پلٹ دی۔ مجھے دنیا کی بے ثباتی کا یقین ہوگیا اور میں نے فیصلہ کر لیا کہ باقی زندگی کبھی اللہ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ اس طرح کے ایک نہیں سینکڑوں واقعات ہیں۔

زلزلے کے بعد جب ریلیف کا سامان متاثرہ علاقوں میں پہنچا تو بڑی تعداد ایسے لوگوں کی تھی جو اندھا دھند سامان اکٹھا کرنے پر لگ گئے۔ انھوں نے دوسروں کے حقوق کی پاسداری کی اور نہ حلال و حرام کی پروا کی۔ جو آیا ہڑپ کرتے چلے گئے۔ افراتفری اور نفسا نفسی کے اس عالم میں ایسے بھی تھے جن کے پاس حرام مال اکٹھا کرنے کے ہزاروں طریقے تھے لیکن انھوں نے موت کی حشر سامانیوں کو دیکھتے ہوئے صرف اپنے حق پر ہی اکتفا کیا۔ اپنے حلال مال میں حرام کا ایک ذرّہ بھی شامل نہ کیا۔

زلزلے کے بعد جس طرح پوری پاکستانی قوم نے متاثرین سے اظہار یکجہتی کیا اور متاثرین کے لیے جس طرح امداد کے انبار لگا دیے یہ اسلامی اخوت و محبت اور بھائی چارے کی ایک اعلیٰ مثال تھی۔ اسلامی بھائی چارے اور اخوت و محبت کا یہ ایک ایسا منظر تھا جس نے پوری دنیا کو متاثر کیا۔ کہتے ہیں کہ شیطان کی زبان سے بھی کبھی صحیح بات نکل جاتی ہے۔ سو بش جیسا شیطان بھی پاکستانی قوم کا متاثرین کے ساتھ اسلامی اخوت و محبت کا منظر دیکھ کر خراج تحسین پیش کرنے پر مجبور ہوگیا۔

زلزلے کے بعد بش نے وائٹ ہاؤس میں امریکی مسلم راہنماؤں اور مسلم سفارت کاروں کے اعزاز میں دیے گئے افطار ڈنر سے تقریر کرتے ہوئے کہا: ''متاثرین زلزلہ کی مدد کرنے والوں کا جذبہ دیکھا ہے یہ نہایت ہی صادق



جذبہ ہے جس سے اسلام کی اصل روح کی عکاسی ہوتی ہے۔ متاثرین کی امداد کے لیے کینیڈا سے آئے ہوئے امدادی دستے کے سربراہ کرنل مائک وائیتھ نے کینیڈا واپسی کے وقت میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے کہا: ''میں نے دنیا میں قدرتی آفات کا اس قدر دلیری اور جرأت سے مقابلہ کرنے والے لوگ اور کسی جگہ نہیں دیکھے جتنے جرأتمند لوگ پاکستان میں دیکھے ہیں۔ سینکڑوں معذور افراد ٹوٹے بازوؤں اور ٹوٹی ٹانگوں کے ساتھ 15 سے 20 کلو میٹر تک کا دشوار گزار سفر کر کے گڑھی دوپٹہ میں ہمارے کلینک میں آتے رہے۔ سونامی کے دوران میں نے سری لنکا میں امدادی کام کیا۔ سری لنکا کی نسبت آزاد کشمیر میں امدادی کام زیادہ مشکل تھا۔ کیونکہ یہاں دشوار گزار پہاڑی راستے ہیں۔ زلزلے کے نتیجے میں آنے والی تباہی بہت بڑی تھی۔ لیکن تباہی کے مقابلے میں لوگوں کے حوصلے کہیں زیادہ بلند تھے۔ کرنل مائک کا یہ بھی کہنا تھا کہ ''جس چیز نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ اسلامی اخوت و محبت کا جذبہ ہے۔ ایسا جذبہ میں نے کہیں اور نہیں دیکھا۔''

اسلامی اخوت و محبت کے جذبے نے غیر مسلموں کو صرف فکری طور پر ہی نہیں بلکہ عملی طور پر بھی متاثر کیا۔ اس جذبے کو دیکھتے ہوئے کئی ایک غیر مسلم امدادی کارکنوں نے اسلام قبول کیا۔ اسلام قبول کرنے والوں میں ایک جاپانی باشندہ بھی شامل تھا۔ اس کے بعد باغ میں امدادی سرگرمیوں میں مصروف انٹرنیشنل ریلیف کینیڈین کارکن گرے نفیل نے اپنے مترجم اور اسلامی جمعیت طلبہ کے رکن محمد شاہین کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور اس کا اسلامی نام محمد یوسف رکھا گیا۔ محمد یوسف نے قبول اسلام کے بعد بتایا: ''مجھے انٹرنیشنل ریلیف کی طرف سے دو میں سے کسی ایک جگہ جانے کا آپشن دیا گیا۔ شمالی امریکہ اور پاکستان۔ میں چونکہ اسلام کے بارے میں جاننا چاہتا تھا اس لیے میں نے پاکستان آنے کو ترجیح دی۔ میں نے سن رکھا تھا کہ اسلام محبت و ہمدردی کا دین ہے۔ اسلام میں حقوق العباد پر اور محتاجوں و بے کسوں کی مدد پر بہت زور دیا گیا ہے۔ پاکستان آنے کے بعد میں نے جیسا اسلام کے بارے میں سنا تھا اس سے کہیں بڑھ کر مسلمانوں کو پایا۔ اس چیز نے مجھے بہت متاثر کیا۔''

گرے نفیل کی اسلام میں دلچسپی کو دیکھتے ہوئے سب سے پہلے انھیں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی کتاب Towards UnderStanding Of Islam پڑھنے کے لیے دی گئی۔ بعد ازاں گرے نفیل نے تفہیم القرآن کے انگریزی ترجمے کا مطالعہ کیا اور اسلام قبول کر لیا۔ محمد یوسف کا کہنا تھا: اسلام قبول کرنے کے بعد مجھے دلی، ذہنی اور فکری سکون مل گیا۔ وہ خلا جو میرے اندر کئی سالوں سے تھا پر ہو گیا ہے۔ زلزلے کے موقع پر محمد یوسف کے علاوہ اور بھی کئی غیر مسلموں کو اسلام کے جذبہ اخوت و محبت نے متاثر کیا۔ اسلام قبول کرنے والوں میں نیٹو افواج کے چار اعلیٰ افسر بھی شامل تھے۔ یہ افسران نیٹو کے شعبہ میڈیکل سے وابستہ تھے اور انھوں نے عید الاضحیٰ کے موقع پر مظفر آباد کے خطیب مولانا سید معین الدین کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔

اس طرح 8 اکتوبر کا زلزلہ اسلام قبول کرنے والے غیر مسلموں کے لیے رحمت بن گیا۔ پاکستان میں تہی دست آنے والے غیر مسلم واپسی پر اسلام کی ابدی تعلیمات اور دولت سے مالا مال ہو کر گئے۔ ان لوگوں نے اپنے ملکوں اور علاقوں میں جا کر نہ معلوم مزید کتنے لوگوں کو مسلمان کیا ہوگا۔ چراغ سے چراغ جلنے کا یہ سلسلہ آگے بھی چلے گا۔

ان واقعات میں ہمارے لیے یہ سبق ہے کہ ہم حالیہ زلزلے میں اپنے متاثرہ بھائیوں کی دل کھول کر مدد کریں اور انھیں تنہا نہ چھوڑیں۔ تاکہ ہمارے ایثار اور قربانی کو دیکھ کر اور بھی بہت سے لوگ اسلام کے دامنِ رحمت میں آجائیں۔ اسی طرح رفاہ عامہ کے امور کے ساتھ ساتھ تمام پہلوؤں سے شریعتِ اسلامی پر چلنے کا عزم کریں۔ اسلام کی تعلیمات ابدی و آفاقی ہیں۔ اسلام نے قیامت کی دیواروں تک قائم رہنا ہے۔ اسلام کی فتوحات اور اشاعت کا سلسلہ اسی طرح چلتا رہے گا۔ جو غیر مسلم اسلام کے حقیقی و اصلی اور مصفیٰ سرچشمہ کو دیکھ لے ممکن نہیں کہ وہ اس سے پیاس نہ بجھائے۔

اگر آج اسلام کے پھیلنے میں کوئی رکاوٹ ہے تو وہ مسلمانوں کی اپنی بے عملی ہے۔ اگر آج مسلمان باعمل بن جائیں تو پوری دنیا حلقہ بگوش اسلام ہو جائے۔

کامیابی کا راز



حافظ صہیب نصیر گوندل

کامیابی ایک ایسا لفظ ہے جس کے حصول کے لیے پوری قوم پوری محنت اور کوشش سے کمربستہ ہے۔ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، بوڑھا ہو یا جوان، الغرض! ہر انسان ہر لمحہ اور ہر گھڑی اسی کوشش میں مصروفِ عمل ہے کہ ''میں'' کامیاب ہو جاؤں، اور وہ اپنے مشن میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے ہر وقت پوری لگن اور محنت سے مصروفِ عمل رہتا ہے۔

کامیابی کیسے حاصل کی جاتی ہے؟ اور یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ کا شمار بھی ان لوگوں میں ہو جن کے ماتھے پر کامیابی کا جھومر جھولتا ہے۔ اس کے لیے تین قواعد پر عمل کرنا انتہائی ضروری ہے:

① اخلاصِ نیت

جب تک آپ کی نیت آپ کی منزل کے مطابق نہیں ہو گی آپ کبھی بھی کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ پیغمبرِ کائنات ﷺ نے کامیابی کا اہم ترین اصول بتاتے ہوئے فرمایا: «اِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ» ''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔'' (صحيح البخاري:1) انسان کی جو نیت ہوتی ہے وہی حاصل کرتا ہے، لہٰذا ہم جس مقام اور مرتبے تک رسائی پانا چاہتے ہیں اس کے لیے نیت کا خالص ہونا انتہائی ضروری ہے۔ ورنہ کامیابی کبھی بھی آپ کے قدم نہیں چومے گی۔

② انتخابِ منزل

کسی بھی مشن میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے منزل کا انتخاب از حد ضروری ہے کیونکہ اگر منزل کا انتخاب نہ ہو تو اس کا حصول ہی ناممکن ہے۔ جس کا مقصد ہی متعین نہ ہو وہ اس شخص کی مانند ہے جو کسی کالج، یونیورسٹی اور مدرسہ کا طالبِ علم تو بن جاتا ہے لیکن اُسے یہ نہیں پتا ہوتا کہ اس نے پڑھ لکھ کر کیا کرنا ہے؟ اور بننا کیا ہے؟ اس کی منزل کیا ہے؟ بلکہ وہ محض والدین کے کہنے پر مجبوراً پڑھتا ہے جس کی وجہ سے وہ منزل کا انتخاب نہیں کر پاتا اور آخر کار ناکام ہو جاتا ہے اور کامیابی اس کی خوشیوں کے دروازے پر دستک نہیں دیتی، لہٰذا وہ ساری زندگی کفِ افسوس ہی ملتا رہتا ہے۔ لہٰذا کامیابی کے زینوں کو طے کرنے کے لیے انتخابِ منزل بہت ضروری ہے۔

کامیابی پانے کے لیے ضروری ہے کہ آپ منزل کا صحیح انتخاب کریں۔ صحیح منزل کا انتخاب نہ کرنا بھی ناکامی کی ایک بنیادی وجہ ہوتی ہے ہمیشہ اس منزل کا انتخاب کریں جس میں آپ دلچسپی رکھتے ہیں۔

والدین کو بھی چاہیے کہ اپنے بچوں کے لیے اس منزل کا انتخاب کریں جس میں وہ دلچسپی اور شوق رکھتے ہوں۔



③ محنت اور لگن

خلوصِ نیت اور انتخابِ منزل کے بعد کامیابی کے حصول کے لیے اگلا مرحلہ یہ ہے کہ جس کام اور مقصد میں انسان نے کامیابی حاصل کرنی ہے اس میں انسان کو محنت، لگن اور دلچسپی کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔ کامیابی تک پہنچنے کے لیے ''محنت اور لگن'' کی اشد ضرورت ہے۔ اگر ہم کسی مقام و مرتبہ تک پہنچنے کا شوق رکھتے ہیں لیکن محنت نہیں کرتے تو یقین کرلیں کہ ہم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے اور اگر صرف محنت ہے، لگن نہیں تو پھر محنت بے کار ہے کیونکہ جس چیز کو حاصل کرنے کا شوق ہی نہیں تو پھر اس کے لیے محنت کرنے کا کیا فائدہ؟ لہٰذا دونوں چیزیں لازم وملزوم ہیں۔

علم میں کامیابی کیسے ممکن ہے؟

ایک ہی استاد سے ایک ہی جگہ اور ایک ہی وقت اور ایک جیسے نظامِ تعلیم میں استفادہ کرنے والے دو طالب علموں میں سے ایک کامیاب اور دوسرا ناکام کیوں ہوتا ہے؟ وہ کون سی صفات ہیں جو ایک طالب علم کی کامیابی کا سبب بنتی ہیں؟ ذیل میں ہم ان صفات کو بیان کرتے ہیں:

① تقویٰ

''رسوخ فی العلم'' کے حصول کے لیے بنیادی چیز ''تقویٰ'' ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کے ذریعے انسان اعلیٰ مقام کی بلندیوں پر فائز ہوتا ہے۔ تقویٰ کا مطلب ہے کہ انسان کے دل میں ہمیشہ اللہ کا ڈر اور خوف ہو اور اللہ کے ساتھ تعلق مضبوط ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ﴾ ''اور اللہ سے ڈر جاؤ، اللہ تم کو سکھلائے گا۔'' (البقرۃ 2: 282) یعنی حصول علم اور رسوخ فی العلم کے لیے تقویٰ بنیادی چیز ہے۔

② اساتذہ کا احترام

استاد کا ادب اس قدر اہم ہے کہ خود رب کائنات نے معلم انسانیت کے ادب و احترام پر زور دیتے ہوئے فرمایا: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ﴾ ''اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو۔'' (الحجرات 49:2) اور رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''علم حاصل کرو اور علم کے لیے متانت اور وقار پیدا کرو، جس سے تعلیم حاصل کرو اس سے خاکساری برتو۔'' (مجمع الزوائد: 252/1) طالب علم کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ استاد کا ادب واحترام اپنے اوپر لازم قرار دے، استاد کو کبھی ناراض نہیں کرنا چاہیے، استاد کی سختی باپ کی شفقت سے بھی اہم ہے، استاد کی خدمت فلاحِ دارین ہے، طالب علم اس میں اپنی سعادت سمجھے کیونکہ جب استاد طالبِ علم کے ادب اور اس کی خدمت سے خوش ہوتا ہے تو اس کے دل میں یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ اس طالب علم کو پورے ذوق و شوق اور کامل توجہ اور محنت سے پڑھائے۔ طالب علم کی خدمت کی وجہ سے استاد کے دل سے طالب علم کے لیے ایسی دعائیں نکلتی ہیں جو عرشِ معلیٰ پر جا کر شرف قبولیت کا درجہ حاصل کرتی ہیں۔ لہٰذا طالب علم کے لیے استاد کا ادب انتہائی ضروری ہے۔ جو طالب علم ذہین تو ہوں مگر استاد کا ادب نہ کرتے ہوں وہ کبھی کامیابی حاصل نہیں کرسکتے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کتنے ہی کند ذہن طلباء اساتذہ کے ادب کی وجہ سے کامیابیوں کے زینے طے کرتے ہوئے اپنی منزل کو پاجاتے ہیں اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ ان کو ایسے درجات پر فائز کردیتا ہے کہ لوگ ان سے ملاقات کرنے میں اپنے لیے فخر محسوس کرتے ہیں۔

③ علم سے محبت

تعلیمی میدان میں نمایاں کامیابی حاصل کرنے کا راز یہ بھی ہے کہ علم سے محبت کی جائے۔ آپ کو علم سے اتنی محبت ہو کہ علم ہی آپ کا اوڑھنا اور بچھونا بن جائے۔ جب آپ کو علم سے اس قدر محبت ہو جائے گی کہ علم کی محبت پر تمام محبتیں قربان ہو جائیں تو پھر تمام مشکل مراحل آسان ہو جائیں گے۔ علم کو مشقت نہ سمجھیں کہ والدین کی خواہش ہے کہ ہم پڑھیں، بلکہ والدین کی خواہش کو اپنی خواہش بنالیں۔

④ وقت کی پابندی اور نظم وضبط کا مظاہرہ

کامیاب طالبِ علم کے لیے پابندیٔ وقت انتہائی ضروری ہے۔ کامیاب طالبِ علم کا کوئی لمحہ ضائع نہیں ہوتا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ایک ٹائم ٹیبل ترتیب دے لیا جائے کہ فلاں وقت فلاں کام کرنا ہے اور فلاں وقت فلاں



کتاب کا مطالعہ کرنا ہے۔ وقت کے ضیاع سے اس قدر احتیاط برتنی چاہیے کہ ہر چیز کو آپ اس قدر ترتیب سے رکھیں کہ آپ ان کو آنکھیں بند کر کے اگر تلاش کرنا چاہیں تو تلاش کرتے وقت آپ کا ایک لمحہ بھی ضائع نہ ہو۔

⑤ دورانِ تعلیم نوٹس کی تیاری

نصابی کتب کا مطالعہ بے شک بہت اہمیت رکھتا ہے لیکن یہ بات یاد رکھیں کہ اساتذہ جس نکتے پر زور دیں اُسے اہمیت دیں اور یاد رکھیں۔ یہ تبھی ممکن ہے جب آپ اچھے نوٹس تیار کریں۔ جو کچھ اساتذہ پڑھائیں اور جو خود پڑھیں انھیں نوٹس میں نشان زدہ کر لیں۔ اسی طرح اہم اہم چیزوں کے نوٹس تیار کرتے جائیں۔ امتحان کے وقت جب آپ اپنے نوٹس کو ایک دو مرتبہ توجہ سے پڑھیں گے تو آپ کو امتحان میں آسانی ہو جائے گی۔

⑥ دورانِ سبق توجہ اور انہماک

جب استاد سبق پڑھا رہا ہو یا آپ خود پڑھ رہے ہوں تو اپنی ساری توجہ اپنے سبق پر مرکوز کر دیں۔ دوران سبق کوئی دوسری سوچ آپ کی پڑھائی میں خلل نہ ڈالے اور نہ ہی کسی ایسی سوچ کو اپنے قریب آنے دیں جس سے آپ کی توجہ سبق سے ہٹ کر کسی دوسری جانب مبذول ہو جائے۔ مطالعہ اس قدر دل جمعی اور استغراق کے ساتھ کریں کہ دورانِ مطالعہ نہ ہی کسی چیز کی فکر ہو اور نہ ہی اس کے علاوہ کسی چیز کی خبر۔ اس طرح آپ کم وقت میں بہت کچھ حاصل کر لیں گے۔

⑦ معلم سے سوال کرنا

دورانِ سبق اگر کسی بات کی سمجھ نہ آئے تو چپ نہ رہیں بلکہ بلا جھجک سوال کریں۔ اگر ایک بار آپ کو سمجھ نہیں آئی تو آپ استاد سے احسن انداز میں بار بار سوال کریں حتی کہ آپ کو اپنے سبق کی سمجھ آ جائے۔ بعض سلف نے تو سوال کرنے کو بھی آدھا علم کہا ہے۔ لہٰذا نفسِ مضمون پر مکمل دسترس حاصل کرنے کے لیے مضمون کی پیچیدہ باتوں پر معلم سے سوال کرنا بھی ضروری ہے۔

⑧ سبق کی دہرائی

کسی بھی کام میں باقاعدگی بہت معنی رکھتی ہے۔ کام تعطل کا شکا ہو جائے تو کام کرنے والا نہ صرف گھبرا جاتا ہے بلکہ کام سے مایوس ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔ لہٰذ طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسباق کی پابندی کرے اور سبق کے بعد اس کی دہرائی بھی کرے۔ بعض اوقات ایک دن کی غیر حاضری پورے سال کی کارکردگی پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اس لیے روزانہ دہرائی کے لیے خصوصی وقت رکھیں۔ یہ علم کو مضبوط رکھنے کا بہترین طریقہ ہے۔

⑨ اگلے سبق کا مطالعہ

علم میں کامیابی حاصل کرنے کا ایک بہترین ذریعہ یہ بھی ہے کہ ہم نے جو سبق اگلے دن پڑھنا ہے اس کا اچھی طرح مطالعہ کر کے کلاس میں جائیں۔ اس سبق کے نفس مضمون اور عبارت کو اچھی طرح حل کریں۔ استاد کے پڑھانے سے پہلے آپ اس قابل ہو جائیں کہ آپ اس سبق پر مکمل مہارت رکھتے ہوں۔ جب استاد وہ سبق پڑھائے گا تو اُسے سمجھنے میں آپ کو کوئی دقت محسوس نہیں ہوگی۔

⑩ گروپ سٹڈی

انفرادی مطالعے کی بجائے مل بیٹھ کر مطالعہ کرنا، پیچیدہ مسائل پر بحث و تمحیص کرنا اور دلائل کی روشنی میں اس کا صحیح حل پیش کرنا بھی حصول علم کے لیے بہت مفید ہے۔ بہت سے ایسے طلبہ جو ذہانت و فطانت میں یکتا ہوتے ہیں وہ صرف اس لیے ناکام ہو جاتے ہیں کہ وہ دوسروں کی آراء کو سنتے ہی نہیں۔ وہ اپنی انا کی وجہ سے دوسرں کے ساتھ مل کر کسی بات پر بحث و مباحثہ کرنا گوارا نہیں کرتے جس کی بدولت انھیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ آپ اگر کامیاب ہونا چاہتے ہیں تو آپ محنتی اور ذہین طلباء کا ایک گروپ بنائیں اور پھر ان کے ساتھ مل کر پڑھیں۔

⑪ خوش خطی

امتحانات میں اعلیٰ اور نمایاں کامیابی حاصل کرنے کا اہم راز پرچے کو خوش خط اور صاف ستھرا حل کرنا بھی ہے۔ سلیقے اور طریقے سے پرچہ حل کرنا ممتحن کو الجھن سے بچاتا ہے۔ بعض طلبہ سوال نمبر لکھنا بھول جاتے ہیں اور بعض طلبہ اپنا رول نمبر لکھنا بھول جاتے ہیں، بعض طلبہ سوال کا کچھ حصہ اگلے سوال کے بعد درج کر کے ممتحن کو شدید الجھن میں ڈال دیتے ہیں اور نتیجتاً کم نمبر حاصل کرتے ہیں۔



⑫ پیپر حل کرنے کا صحیح طریقہ

پیپر کو بہترین انداز میں حل کرنے کے لیے ذیل میں دی گئی ہدایات کو مدنظر رکھنا بہت ضروری ہے۔

① پیپر شروع کرنے سے پہلے آپ اپنے تمام ضروری کاموں سے فارغ ہو کر جائیں، مثلاً: قضائے حاجت وغیرہ۔ ② پیپر شروع کرنے سے پہلے کم از کم ایک گلاس پانی ضرور پئیں۔ ③ سب سے پہلے دونوں طرف مناسب حاشیہ لگائیں۔ ④ پہلے سوالیہ پیپر کو اچھی طرح پڑھیں۔ ⑤ بسم اللہ کو خوش خط لکھ کر پیپر کا آغاز کریں۔ ⑥ سب سے پہلے وہ سوال حل کریں جس پر آپ کو مہارت حاصل ہو۔ اس کا نمبر ڈالیں۔ ⑦ پھر سوال تحریر کریں۔ ⑧ پھر جلی حروف کے ساتھ ''جواب'' کی سرخی دیں۔ ⑨ اس کے بعد نیچے سے جواب شروع کریں۔ ⑩ جواب کو واضح اور خوشخط کر کے لکھیں۔ ⑪ جو موضوع آپ شروع کر رہے ہیں اس کی سرخی بھی ڈالیں، مثلاً: ''ترجمہ'' یا ''تفسیر'' وغیرہ ⑫ جب جواب مکمل ہو جائے تو لکیر کھینچ کر دوسرا سوال شروع کریں۔

⑬ خارجی کتابوں کا مطالعہ

طالب علم کی اوّلین ترجیح اس کا نصاب ہونا چاہیے مگر جو امور نصاب کو یاد کرنے اور اعلیٰ نمبر حاصل کرنے میں مددگار ہوں انھیں اختیار کرنا بھی لازمی ہے، کامیابی کے حصول کے لیے خارجی کتابوں کا مطالعہ بھی ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ لہٰذا خارجی کتابوں کا مطالعہ بھی کرنا چاہیے، مثلاً: اخبارات و دینی رسائل کا مطالعہ، اسلامی اور تاریخی کتب کا مطالعہ انسان کے اندر خود اعتمادی پیدا کرتا ہے۔

⑭ نفس پر کنٹرول

زمانہ طالب علمی میں نفس ایک طالبِ علم کو مختلف خواہشات پر اُبھارتا ہے۔ انسان کا نفس بچے کی مانند ہوتا ہے۔ جو اس کو نظر آتا ہے وہ اس کی خواہش کرتا ہے خواہ اچھا ہو یا برا۔ کامیابی حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان اپنے نفس کو اچھے کاموں کی طرف راغب کرے اور بری خواہشات سے اجتناب کرے۔

⑮ اچھی صحبت

طالب علم کا اچھا یا برا ہونے میں سب سے بڑا کردار اس کی صحبت کا ہے کیونکہ انسانی زندگی میں صحبت کا گہرا اثر ہوتا ہے۔ آدمی اپنی صحبت سے پہچانا جاتا ہے۔ لہٰذا اگر کامیابی اور کامرانی چاہتے ہو تو اچھے لوگوں کی اچھی صحبت اختیار کرو کیونکہ اچھی صحبت سے انسان اپنے دامن میں عزت سمیٹتا ہے اور بری صحبت سے اپنے دامن پر سیاہ دھبے لگاتا ہے۔ برے لوگوں کی صحبت سے انسان کی عزت بھی مجروح ہوتی ہے اور اس سے بری عادات بھی پروان چڑھتی ہیں۔ اچھی صحبت سے انسان کی عزت و وقار میں اضافے کے ساتھ ساتھ اس میں خصائل حمیدہ بھی پروان چڑھتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ عِلْمًا نَافِعاً وَرِزْقًا طَيِّباً وَعَمَلًا مُتَقَبَّلًا.

ماہنامہ
ضیائے حدیث
لاہور

الحمدللہ ہر طبقے میں مزید مقبولیت کا حامل ہو رہا ہے۔ اس کی ممبر شپ میں اضافہ کر کے اور عمدہ تجاویز سے نواز کر ادارے سے تعاون فرمائیں۔

آپ کی ترغیب سے کسی گھرانے میں ''روشنی'' کا انتظام ہوسکتا ہے اور لوگوں کے عقائد و نظریات کی اصلاح اور کردار میں بہتری آسکتی ہے۔

نمونے کا پرچہ حاصل کرنے کے لیے رابطہ:

0322-8246740

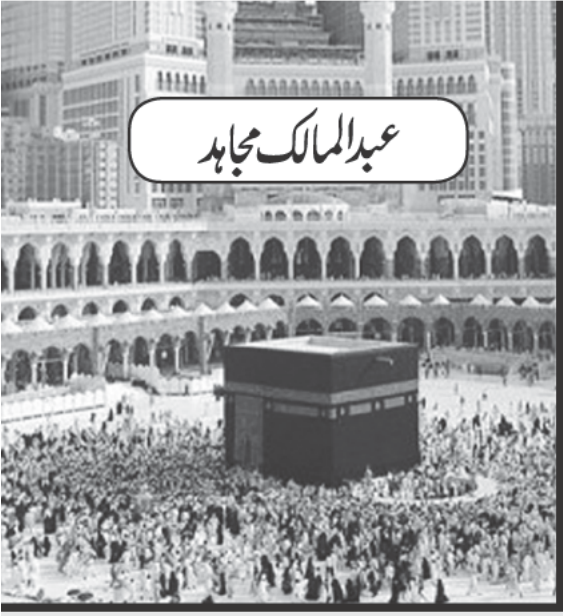
شیخ الحدیث والتفسیر مولانا مفتی

ثناء اللہ عیسیٰ خان مدنی حفظہ اللہ

کا انٹرویو

ضیائے حدیث کے نومبر 2013ء کے شمارے میں عرب وعجم کے مایہ ناز عالم دین، مفتی، شیخ الحدیث مولانا ثناء اللہ خان حفظہ اللہ کا تفصیلی انٹرویو شائع ہوگا۔ ان شاء اللہ

یہ انٹرویو طلباء، اساتذہ، مبلغین اور داعیوں کے لیے بہترین راہ نمائی فراہم کرے گا۔ غالباً یہ آپ کا پہلا تفصیلی انٹرویو ہوگا۔



سعودی عرب میں امن کا راز

توحید الٰہی اور شرعی حدود کا نفاذ

عبدالمالک مجاہد

23 ستمبر سعودی عرب کی تاریخ کا بلاشبہ بڑا اہم دن ہے۔ 23 ستمبر 1932ء کی بات ہے جب دنیا کے نقشہ پر ایک آزاد، خود مختار مملکت وجود میں آتی ہے۔ اس نئے ملک کا نام المملکة العربية السعوديه رکھا جاتا ہے۔ اس ملک کے مؤسس اور بانی شاہ عبداللہ کے والد گرامی شاہ عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن آل سعود ہیں۔ آل سعود صدیوں سے نجد کے علاقے میں خصوصاً درعیہ اور اس کے اردگرد کے علاقوں پر حکومت کرتے چلے آ رہے تھے۔ اب تو درعیہ کی بستی ریاض کی ایک مضافاتی بستی بن چکی ہے۔ ایک زمانہ تھا جب درعیہ ریاض شہر سے قدرے فاصلے پر تھا۔ گزشتہ 81 سالوں میں ریاض شہر نے بے حد ترقی کی ہے اور اس کی حدود چاروں طرف ایک سو کلومیٹر سے زیادہ پھیل چکی ہیں۔ زمانہ قدیم میں بھی درعیہ کے مقابلے میں ریاض بلاشبہ ایک بڑا شہر تھا۔ آل سعود کے یہاں محلات تھے۔ یہاں ان کا قلعہ بھی تھا۔ شاہ عبدالعزیز کے والد عبدالرحمٰن بن فیصل آل سعود ان دنوں ریاض کے حکمران تھے۔ 1876ء میں شاہ عبدالعزیز ریاض میں پیدا ہوتے ہیں۔ اپنے والد کے سایہ تلے بچپن گزارا۔ اس وقت کے جید علماء سے پڑھنا لکھنا سیکھا۔ قرآن کریم ناظرہ اور اس کا کچھ حصہ حفظ کیا۔ اصول فقہ اور عقیدہ توحید پر مبنی کتب شیخ عبداللہ بن عبداللطیف آل الشیخ سے پڑھیں۔

قارئین کرام! جن بچوں نے بڑے ہو کر قائد، لیڈر یا بڑا آدمی بننا ہوتا ہے، ان میں شروع ہی سے کچھ ایسی عادات' صلاحیتیں اور صفات ہوتی ہیں جو ان کی ذہانت، فطانت اور قیادت پر دلالت کرتی ہیں۔ اس وقت شہزادہ عبدالعزیز کی عمر کوئی نو' دس برس کی ہوگی جب ایک نہایت مدبر شخص نے ان کے والد شاہ عبدالرحمٰن بن فیصل سے کہا کہ یوں تو آپ کے اور بھی متعدد بیٹے ہیں مگر شہزادہ عبدالعزیز جب بڑا ہوگا تو بلاشبہ اپنی قوم کا زعیم اور قائد بنے گا۔

شاہ نے تعجب سے پوچھا: تمھیں کیسے معلوم ہوا؟ کہنے لگا: میں آج جب محل کی طرف سے گزر رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ مختلف شہزادے کھیل رہے ہیں۔ میں ان کو کھیلتا ہوا دیکھ کر رک گیا اور ان کی گفتگو سننے لگا۔ جو بھی شہزادہ آتا وہ سوال کرتا کہ ہم کس کے ساتھ کھیلیں گے۔ تو کوئی نہ کوئی گروپ اسے اشارہ کرتا کہ آؤ ہمارے ساتھ کھیلو، ہمارے ساتھ شریک ہو جاؤ، اور وہ ان کے ساتھ کھیلنے لگ جاتا۔

تھوڑی دیر بعد نو عمر شہزادہ عبدالعزیز بھی وہاں آ پہنچا تو اس نے آتے ہی پکارا: ہاں بھئی ہمارے ساتھ کون کون کھیلے گا؟ کچھ شہزادے ان کی طرف متوجہ ہوئے اور وہ عبدالعزیز کے ساتھ کھیلنے لگے۔ ان کا قائد اور لیڈر شہزادہ عبدالعزیز تھا۔ اس سے مجھے اندازہ ہوگیا کہ عبدالعزیز کے اندر قائدانہ صلاحیتیں موجود ہیں اور وہ ایک دن بہت بڑا آدمی بنے گا۔

حالات نے جلد ہی پلٹا کھایا اور شاہ عبدالرحمٰن اپنے اہل و عیال کے ساتھ کویت منتقل ہونے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ آل رشید ان پر غالب آگئے تھے۔ اس وقت شاہ عبدالعزیز کی عمر صرف بارہ سال تھی۔ کویت میں اس دور میں بھی آل صباح کی حکومت تھی۔



ان دونوں خاندانوں کے آپس میں برادرانہ تعلقات مدتوں سے چلے آ رہے تھے۔ آل صباح نے آل سعود کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ جو بھی ضروری سہولتیں مہیا کر سکتے تھے وہ مہیا کر دی گئیں۔ شاہ عبدالعزیز اپنے والد اور گھر کے دوسرے افراد کے ساتھ کویت میں دس سال تک مقیم رہے۔ وہ گھڑ سواری اور دیگر فنون حرب تو بچپن سے سیکھتے چلے آ رہے تھے۔ کویت میں آئے تو انھوں نے جنگی فنون میں مزید مہارت حاصل کی۔ کویت میں قیام کے دوران وہ مسلسل سوچتے رہتے تھے کہ کس طرح اپنے آباء و اجداد کی حکومت واپس لے سکتے ہیں۔ ان کے ہم عصروں نے بیان کیا ہے کہ شاہ عبدالعزیز اکیلے صحراء میں نکل جاتے۔ ان کے ہاتھ میں عصا ہوتا، وہ غصے سے اسے زور زور سے زمین پر مارتے کہ کب وقت آئے گا جب وہ فاتحانہ انداز میں ریاض میں داخل ہوں گے۔

کویت میں قیام کے دوران میں انھوں نے قرآن کریم کے ساتھ اپنے تعلق کو اور زیادہ مضبوط کیا۔ بعض روایات کے مطابق انھوں نے اسے حفظ بھی کیا۔ دیگر دینی اور دنیاوی علوم کو حاصل کیا۔ شاہ عبدالعزیز کا قد غیر معمولی لمبا تھا۔ جسم نہایت طاقتور تھا۔ کم عمری میں ہی وہ بڑے طاقتور اور دلیر تھے۔ دوڑتے ہوئے گھوڑے پر اچھل کر بیٹھ جاتے۔ تلوار چلانے میں زبردست مہارت حاصل کی۔

کویت کے موسم اور وہاں کے سخت حالات نے ان کی خوب تربیت کی۔ انھوں نے اپنے والد اور قبیلے کے دیگر افراد سے حکومت کرنے کے گُر سیکھے۔ شاہ عبدالعزیز کی خوش قسمتی کہ ان کو اپنی بڑی بہن نورہ بنت عبدالرحمٰن کی رفاقت اور رہنمائی میسر آئی۔ یہ وہی نورہ ہیں جن کے نام پر ریاض میں جامعہ نورہ للبنات کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔ شاہ عبدالعزیز بڑے فخر سے اپنی مجالس میں اپنی اس بہن کا ذکر اس طرح کیا کرتے تھے: أنا أخو نورة. اس عظیم خاتون کو یہ کریڈٹ جاتا ہے کہ ریاض کی فتح میں اس نے اپنے بھائی کو خوب تشجیع دی، اس کی حوصلہ افزائی کی اور اپنے بھائی کی طرف سے آباء واجداد کی حکومت واپس لینے کی منصوبہ بندی میں حصہ لیا، چنانچہ جب شاہ عبدالعزیز چالیس افراد کے ساتھ ریاض کی طرف روانہ ہوئے تو انھیں روانہ کرنے والوں میں ان کی ہمشیرہ نورہ بھی شامل تھیں۔

وقت گزرتے دیر نہیں لگتی۔ وہ دن جلد ہی آ گیا جب ان کی ریاض فتح کرنے کی خواہش پوری ہوتی ہے۔ وہ اپنے چند رشتہ داروں، خاندان کے بہی خواہوں اور خاص دوستوں کے ساتھ شوال 1319 ہجری بمطابق 15 جنوری 1902ء کو ریاض میں داخل ہوتے ہیں۔ ریاض اس وقت کوئی بڑا شہر نہ تھا۔ دیرہ کے علاقے میں قلعہ مصمک پر وہ بڑی آسانی سے قبضہ کر لیتے ہیں۔ بہت معمولی سی مزاحمت ہوتی ہے جس پر دلیر اور بہادر شہزادہ آناً فاناً قابو پا لیتا ہے۔ آل رشید کی حکومت ختم ہو جاتی ہے اور چند گھنٹوں بعد آل سعود کی حکومت کا اعلان کر دیا جاتا ہے۔ حکومت ان کے ہاتھ میں آئی تو ملک عبدالعزیز نے سب سے پہلے اپنے والد محترم عبدالرحمٰن بن فیصل کو شہر کی چابیاں پیش کیں۔ اعلان ہوا کہ حکومت شاہ عبدالرحمٰن آل سعود کی چلے گی۔ والد نے اپنے ہونہار بیٹے کی حوصلہ افزائی کی۔ اسے بھرپور خراج تحسین پیش کیا کہ اس نے آباؤ اجداد کی حکومت واپس کروانے میں نہایت اعلیٰ حکمت عملی اختیار کی اور بہت بہادری کا کردار ادا کیا ہے۔ چند دن گزرتے ہیں، ریاض کی مسجد الکبیر میں، جسے عرف عام میں دیرہ والی مسجد کہا جاتا ہے، حکومت کے خاص خاص نمائندوں کا اجتماع ہوتا ہے۔ علمائے کرام اور شہر کے معززین کی موجودگی میں شاہ عبدالرحمٰن بن فیصل اپنے ہونہار بیٹے کے حق میں حکومت سے دستبردار ہو جاتے ہیں۔ اس وقت شاہ عبدالعزیز کی عمر صرف 26 سال تھی۔ چنانچہ اب ریاض کے نئے حاکم کا نام شاہ عبدالعزیز تھا۔ ریاض کے علاقے پر اپنی حکومت مستحکم کرنے کے بعد شاہ عبدالعزیز سعودی عرب کے مختلف علاقوں کا رخ کرتے ہیں۔ انھیں مختلف علاقوں کو اپنی حکومت میں ضم کرنے کے لیے بے حد جدوجہد کرنا پڑتی ہے۔ بعض بڑی جنگیں بھی ہوتی ہیں۔ مختلف علاقوں کے بدوؤں کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ شاہ عبدالعزیز نہایت حکمت اور دانائی سے کام لیتے ہیں۔ انھوں نے ترہیب اور ترغیب دونوں سے کام لیا۔ وہ نہایت سخی تھے۔ لوگوں پر اتنا زیادہ خرچ کرتے تھے کہ لوگ اس کی مثالیں دیا کرتے تھے۔



قارئین کرام! شاہ عبدالعزیز کی سخاوت کی ایک مثال دے کر آگے بڑھوں گا۔ ایک مرتبہ وہ سفر کر رہے تھے۔ ایک درخت کے نیچے ایک بدو کو بیٹھا ہوا دیکھا۔ یہ بدو شاہ عبدالعزیز کو نہیں پہچانتا تھا۔ شاہ نے اسے کچھ درہم و دینار بطور عطیہ پیش کیے۔ تو اس نے بے اختیار پوچھا: کیا آپ شاہ عبدالعزیز ہیں؟ شاہ نے اثبات میں جواب دیا اور ساتھ ہی اس سے پوچھا: تمھیں کیسے معلوم ہوا کہ میں عبدالعزیز ہوں۔ اس بدو نے جو جواب دیا وہ پڑھنے اور سننے سے تعلق رکھتا ہے۔ کہنے لگا: جتنی بڑی رقم آپ نے مجھے بطور عطیہ دی ہے، وہ ملک عبدالعزیز کے سوا کوئی اور دے ہی نہیں سکتا۔

قارئین کرام! آل سعود کی اپنی ایک خوبصورت، روشن اور سنہری تاریخ ہے۔ میں نے دیکھا کہ ان کے خواص میں تواضع کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ آل سعود کا جتنا بڑا آدمی ہوتا ہے، اتنا ہی وہ منکسر المزاج ہوتا ہے۔ وفاداری اگر کسی نے سیکھنی ہے تو وہ آل سعود کی تاریخ کا مطالعہ کرے۔ جیسے جیسے ان کی حکومت مضبوط ہوتی چلی گئی، ان کی عوام کے ساتھ محبت اور وفاداری میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ آل سعود اور آل الشیخ کے آپس میں صدیوں پرانے تعلقات چلے آ رہے ہیں۔ شاہ عبدالعزیز خود بہت بڑے متبع سنت اور عقیدۂ توحید کے علمبردار تھے۔ ان کی بے شمار خوبیوں میں ان کا مضبوط عقیدہ اور پختہ منہج ہونا بہت بڑی خوبی اور سعادت تھی۔ آل الشیخ کے ساتھ ان کے بزرگوں نے جو معاہدہ درعیہ کیا تھا، دونوں خاندانوں نے اس کی پاسداری کی۔ آل سعود کی حکومت سے پہلے ایک وقت تھا کہ اس ملک کے بعض علاقوں میں شرک و بدعت کے مراکز بنے ہوئے تھے۔ ریاض کے قرب و جوار میں حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ کی قبر پر شرک کیا جاتا تھا۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں بعض قبروں پر قبے بنے ہوئے تھے۔ ملک عبدالعزیز نے آل الشیخ کے ساتھ مل کر شرک کے ان اڈوں کو ختم کیا اور اس ملک میں عقیدۂ توحید کو عام کیا۔ سکولوں کے سلیبس میں عقیدۂ توحید پر مبنی کتب پڑھائی گئیں اور پھر توحید کی برکت سے اس ملک میں اللہ کی رحمت اور برکت کے خزانے کھلتے چلے گئے۔ ملک عبدالعزیز خود کتنے بڑے موحد تھے، اس کا اندازہ اس واقعے سے کیجیے جو آپ پڑھنے جا رہے ہیں۔ یہ واقعہ مجھے قصیم کے علاقے سے تعلق رکھنے والے ایک ثقہ سعودی دوست نے سنایا تھا۔

ایک مرتبہ ملک عبدالعزیز۔ طیب اللہ ثراہ۔ ریاض سے مکہ مکرمہ گاڑی کے ذریعے سفر کر رہے تھے۔ راستے میں انھیں قصیم میں تھوڑی دیر رکنا تھا اور وہاں دوپہر کا کھانا بھی تناول کرنا تھا۔ علاقے کے لوگوں کو جب شاہ کی آمد کی اطلاع ملی تو ان میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ قبائل کے نوجوان بڑے جوش و خروش کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ وہ ہزاروں کی تعداد میں اکٹھے ہو گئے۔

ہمارے قارئین کو خوب معلوم ہے سعودی عرب میں بہت کم بارشیں ہوتی ہیں۔ اب یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت تھی کہ جس روز شاہ صاحب کو قصیم پہنچنا تھا اس روز یا اس سے ایک دن پہلے بڑے زور کی بارش ہوئی۔ اس علاقے میں عرصۂ دراز سے بارش نہیں ہوئی تھی، اس لیے لوگوں کے لیے دو خوشیاں تھیں۔ ایک تو بارش کی اور دوسری شاہ عبدالعزیز کی ان کے علاقے میں تشریف آوری کی۔ جب شاہ عبدالعزیز وہاں پہنچے تو کسی شخص کے منہ سے بے اختیار نکل گیا: چونکہ ہمارے پاس شاہ عبدالعزیز آئے ہیں اس لیے ان کی آمد کی برکت سے بارش ہوئی ہے۔

شاہ عبدالعزیز اپنی رعیت سے بے حد محبت کرنے والے تھے مگر عقیدۂ توحید پر کوئی سمجھوتہ کرنے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ شاہ نے ناراضگی کا اظہار کیا اور فرمایا: میں اب تمھارا کھانا نہیں کھاؤں گا۔ تم لوگ پہلے اپنے عقائد درست کرو، یعنی بارش کے آنے یا نہ آنے سے کسی شخصیت کا کوئی تعلق نہیں ہوسکتا، یہ محض مشیت الٰہی سے آتی ہے۔

قارئین کرام! دین کی بنیاد عقیدۂ توحید ہے۔ شاہ عبدالعزیز کی حکومت آئی تو سب سے پہلے انھوں نے اسی پر توجہ مرکوز کی۔ بیت اللہ کے دروازے کو پکڑ کر انھوں نے اللہ تعالیٰ سے جو دعا کی تھی وہ یہی تھی: الٰہی! مجھے کتاب وسنت پر عمل کرنے والا بنا اور اس کے مطابق حکومت چلانے کی توفیق عطا فرما۔

اگر آپ قرآن کریم کی اس آیت کریمہ پر غور کریں: ﴿الَّذِينَ إِنْ مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ﴾ ”اللہ کے محبوب بندے وہ ہیں کہ اگر ان کو ہم حکومت عطا فرمائیں تو وہ

نماز کے قیام کا اہتمام کرتے ہیں۔'' الحمدللہ! سعودی عرب دنیا کا واحد ملک ہے جہاں اقامت نماز کا سرکاری سطح پر بندوبست کیا گیا ہے۔ ادھر اذان ہوئی، ادھر دکانیں بند ہو گئیں۔ لوگوں کی بڑی تعداد مساجد کا رخ کرتی ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ واحد ملک ہے جہاں نماز کا بے حد اہتمام ہوتا ہے۔ دنیا کے کسی اور ملک میں کہیں بھی نماز کے وقت سرکاری طور پر دکانیں بند نہیں ہوتیں نہ ہی سرکاری دفاتر میں کام بند کیا جاتا ہے۔ اب جس ملک میں نماز کا اہتمام ہو، جس ملک میں علانیہ شرک و بدعت کے اڈے نہ ہوں، جہاں حدود اللہ کا قیام ہو وہاں اللہ تعالیٰ کی برکات اُترتی ہیں، اس کے فضل و کرم کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس ملک پر اپنی خاص عنایات کی ہیں۔ اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ تیل پیدا کرنے والا اور ایکسپورٹ کرنے والا ملک سعودی عرب ہے۔ یہاں عالمی مہنگائی کے باوجود ابھی تک کھانے پینے کی چیزیں بہت سستی ہیں۔ پٹرول پانی سے بھی سستا ملتا ہے۔

جہاں تک امن و امان کا تعلق ہے اس اعتبار سے یہ دنیا کا مثالی ملک ہے۔ شاہ عبدالعزیز کی حکومت سے پہلے بدو حجاج کو لوٹا کرتے تھے۔ مگر جیسے ہی حکومت مستحکم ہوئی سب سے پہلے امن و امان پر توجہ مرکوز کی گئی۔ زمانۂ قدیم میں حجاج جب اس مقدس سرزمین پر آنے لگتے تو ان کو یہی فکر لاحق ہوتی تھی کہ کہیں وہ بدوؤں کے ہاتھوں لوٹے نہ جائیں۔



ابوعبداللہ

دارُالسّلام

انعامی کوئز پروگرام

Sh.Siddiq7@Gmail.com

ماہ ستمبر کے درست جوابات

① ''محمد (ﷺ) تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔ آپ اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں۔'' (الأحزاب 40:33) ''میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو۔'' (سنن ابن ماجہ 4077)

② مرزا قادیانی پر سب سے پہلے کفر کا فتویٰ سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ نے لگایا اور اس کی تشہیر مولانا محمد حسین بٹالوی رحمہ اللہ نے کی۔

③ فاتح قادیان، مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ۔ القادیانیہ، علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ۔ ماہنامہ ضیائے حدیث کا خصوصی نمبر: قندیل۔

④ حج بیت اللہ 9 ہجری میں فرض ہوا۔

بذریعہ قرعہ اندازی 6 ماہ کے لیے فری رسالہ پانے والوں کے نام

حبیب الرحمان (پشاور) ماسٹر عبدالحمید (گوجرانوالہ) حافظ طارق محمود (قصور) خلیل الرحمٰن بلوچ (لاہور) امیر حمزہ (ننکانہ)

عبارتیں ڈھونڈیں انعام پائیں

① وہ اچھا اور صحیح راستہ صرف اور صرف مسنون نکاح ہے۔

② معصوم بہن کسی کے ہاتھوں میں اور بھائی الگ الگ اجنبی ہاتھوں میں پہنچ گئے۔

③ میں تم سب کی نسبت اپنے اہل کے لیے بہتر ہوں۔

④ پٹرول پانی سے بھی سستا ملتا ہے۔

بچوں کے لیے انعامی کوئز

① نبی ﷺ نے کتنے حج اور عمرے کیے تھے؟

② سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو جب شہید کیا گیا تو وہ کیا کر رہے تھے؟

③ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کس صحابی کے بارے میں وصیت کی تھی کہ میرا جنازہ وہ پڑھائے؟

④ قربانی کا جانور کن کن عیوب سے پاک ہونا چاہیے؟



ان بدوؤں کے لیے حجاج کو قتل کرنا معمولی بات تھی۔ شاہ عبدالعزیز نے ان کو وارننگ دی اور اسی صحرا میں جہاں وہ حاجیوں کو لوٹا اور قتل کرتے تھے، ان کے سرغنوں کو باندھ کر بھوکا اور پیاسا پھینک دیا گیا۔ وہ بھوکے پیاسے تڑپتے رہے اور تڑپ تڑپ کر صحرا میں مر گئے۔

کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ کوئی ان پر بھی ہاتھ ڈال سکتا ہے۔ مگر حکومت کے آہنی ہاتھوں نے ان ڈاکوؤں اور لٹیروں کو نشان عبرت بنا دیا اور اس کے بعد کسی گروہ کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ حجاج کو لوٹ سکیں۔

شاہ عبدالعزیز کے بعد ان کے بیٹوں' شاہ سعود' شاہ فیصل' شاہ خالد' شاہ فہد اور اب خادم الحرمین الشریفین شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز نے اپنے والد محترم کی پالیسیوں کو جاری رکھا۔ ان کے نقش قدم پر چلتے رہے۔ دین کو مقدم رکھا' حدود اللہ کا نفاذ کیا جس کے نتیجے میں عوام خوشحال ہیں اور ملک مسلسل ترقی کر رہا ہے۔

شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز کا دور شروع ہوا تو انھوں نے ملک کی ترقی کے مزید منصوبے بنائے۔ انھیں حکومت کرنے کا وسیع تجربہ ہے۔ ان کے سنہری دور میں ہر طرف مزید ترقی کے راستے کھلے ہیں۔ ملک کے طول و عرض میں سفر کیجیے کسی بھی شہر میں جائیں آپ کو بے شمار نئے نئے منصوبے تعمیر ہوتے نظر آئیں گے۔ نئی سڑکیں بن رہی ہیں۔ ہسپتال' سکول' کالج' یونیورسٹیاں سب شاہ عبداللہ کی بالغ نظری اور ان کی اپنے عوام کے ساتھ محبت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ شاہ عبداللہ کی ولولہ انگیز قیادت اور دور رس منصوبوں کی بدولت سعودی عرب کا مقام عالم اسلام میں بالخصوص اور پوری دنیا میں بالعموم بلند ہوا ہے۔ شاہ عبداللہ پاکستان اور پاکستانی عوام سے بے حد محبت کرتے ہیں۔ میاں محمد نواز شریف صاحب کے شاہی خاندان سے بڑے قریبی تعلقات ہیں۔ ان کے وزیر اعظم بننے سے سعودی عوام بڑے خوش ہیں۔ تعلقات پہلے بھی مضبوط تھے مگر اب دونوں ملکوں کے تعلقات میں مزید بہتری آئی ہے۔ شاہ عبداللہ پاکستان کو ایک مستحکم ملک دیکھنا چاہتے ہیں۔ سعودی حکومت نے ہر کڑے وقت میں پاکستان کی ہمیشہ مدد کی ہے۔

راقم الحروف کو جناب پروفیسر ساجد میر صاحب کی معیت میں متعدد بار ولی عہد شہزادہ سلمان بن عبدالعزیز سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہے۔ ان ملاقاتوں میں گفتگو کا مرکز پاکستانی عوام اور اسلام رہا۔

مرحوم و مغفور شہزادہ نایف بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے ساتھ مکہ مکرمہ میں نوے منٹ تک ہونے والی ملاقات میری زندگی کی بہترین ملاقات تھی۔ یہ ملاقات بھی پروفیسر ساجد میر اور حافظ عبدالکریم صاحب کی معیت میں ہوئی تھی۔ اس روز مجھے اندازہ ہوا تھا کہ سعودی حکام واقعی پاکستانیوں کے ساتھ بڑی محبت کرتے ہیں اور وہ پاکستان کو دنیا کے ترقی یافتہ ملکوں کی صف میں دیکھنا چاہتے ہیں۔

قارئین کرام! سعودی عرب وہ ملک ہے جو مہبط الوحی ہے۔ یہاں دنیا کے دو سب سے مقدس شہر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ ہیں۔ دنیا کا کون سا ایسا مسلمان ہو گا جو ان شہروں کی زیارت کرنا نہ چاہتا ہو۔ یہاں ہر سال کئی ملین مسلمان حج اور عمرے کے لیے آتے ہیں۔ سعودی حکومت حجاج کو سہولتیں پہنچانے کے لیے مسلسل کوششیں کرتی رہتی ہے۔ حرمین الشریفین کی توسیع مسلسل ہوتی رہتی ہے۔ مگر یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز کے دور میں حرمین الشریفین کی توسیع کا جو کام ہو رہا ہے اس کی ماضی میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔

اس ملک میں 15 لاکھ کے لگ بھگ پاکستانی رہتے ہیں۔ ان میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جو اپنی خوشی سے مستقل اس ملک سے جانا چاہتا ہو۔

آج سعودی عوام اپنا قومی دن منا رہے ہیں۔ بلاشبہ یہ ایک تاریخ ساز دن ہے جس روز اس قوم نے اپنے قائد شاہ عبدالعزیز آل سعود کی قیادت میں اس ملک کی بنیاد رکھی تھی۔ ہم اس قومی دن کے موقع پر شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز، ولی العہد شہزاہ سلمان بن عبدالعزیز اور تمام سعودی عوام کو مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس ملک کی حفاظت فرمائے۔ اسے حاسدوں کی نگاہوں سے محفوظ فرمائے۔ ہم اس ملک میں مزید ترقی، برکت اور خیر و خوشحالی کی دعا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آل سعود کی حکومت کو صدیوں تک قائم و دائم رکھے۔ خادم الحرمین الشریفین کو صحت و تندرستی عطا فرمائے۔ اس ملک کو حاسدین، حاقدین اور فتنہ پرور لوگوں سے محفوظ فرمائے، آمین ثم آمین۔

بادام

قدرت کا عمدہ انعام

ڈاکٹر طارق ریاض



اللہ کریم نے مختلف انواع واقسام کی غذائی اشیاء پیدا کرکے ہم سب پہ احسانِ عظیم فرمایا ہے۔ میوہ جات جہاں ایک طرح کی سوغات ہیں وہاں ان میں ایسے غذائی و کیمیائی مادے بھی رکھ دیے کہ کھانے والے کے لیے تحفے سے کم نہیں۔ بادام بھی بلاشبہ ایک عطیہ خداوندی ہیں۔ بادام کو انگریزی میں ALMOND کہتے ہیں جبکہ ان کا سائنسی نام Prunus Amygd Alus ہے۔ اس کا تعلق گلاب کے خاندان سے ہے۔ بادام کے درمیانی قد والے درخت کا تعلق بنیادی طور پر مڈل ایسٹ اور جنوبی ایشیا سے ہے۔ تکنیکی لحاظ سے بادام ایک D RUPE ہے جس میں گری ہوتی ہے۔ اس گری کے گرد سخت موٹا اور مضبوط خول یا چھلکا ہوتا ہے جسے توڑ کر بیج کو کھایا جاتا ہے۔

بادام کا درخت لمبائی میں 4 سے 10 میٹر یعنی 13 سے 33 فٹ ہوتا ہے جس کا تنا 30 سینٹی یا 12 انچ قطر کا ہوتا ہے۔ شروع میں شاخیں سبز ہوتی ہیں لیکن بعدازاں ان کی رنگت جامنی (Purplish) سی ہوجاتی ہیں۔ بادام کے پتے 3 سے 15 انچ لمبے جبکہ پتے کی ڈنڈی (Petiole) ایک انچ لمبی ہوتی ہے۔ اس کے پھول سفید یا ہلکے گلابی رنگ کے ہوتے ہیں جن کا قطر (Diameta) 3 سے 5 سینٹی میٹر یا 1 تا 2 انچ ہوتا ہے۔ پھول کی پانچ پتیاں (Petals) ہوتی ہیں۔ درخت پہ بادام کم از کم تین سال کی عمر میں لگنے شروع ہوجاتے ہیں۔ بادام کا پھل (جو ہم کھاتے ہیں) خزاں میں تیار ہوتا ہے۔ بادام کا پھل 3.5 سے 6 سینٹی میٹر، یعنی ایک سے دو انچ لمبا ہوتا ہے۔

بادام کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ Nut Trees میں سب سے پہلے انسان نے اسی درخت کو اگانا شروع کیا۔ یوں تو جنگلی بادام کا ذائقہ کڑوا ہوتا ہے جو انسانی صحت کے لیے اچھا نہیں ہوتا۔ تاہم میٹھے بادام کب کاشت ہوئے اس بارے میں وثوق سے کچھ کہنا مشکل ہے۔ البتہ عام خیال یہ ہے کہ آرمینیا اور آذربائیجان کے لوگوں نے پہلی مرتبہ شیریں بادام اُگانا شروع کیے۔ رفتہ رفتہ باداموں کی طبی اہمیت واضح ہونا شروع ہوئی تو دنیا اس کی جانب متوجہ ہوئی اور بادام کی کاشت دنیا بھر میں شروع ہوگئی۔ اقوام متحدہ کے ذیلی ادارے FAO کے مطابق دُنیا بھر میں 20 لاکھ ٹن سے زائد بادام سالانہ پیدا ہوتے ہیں۔ جوں جوں ان کی مانگ بڑھ رہی ہے توں توں ان کی کاشت کے رقبے میں بھی اضافہ ہورہا ہے۔ یہ بات بھی اہم ہے کہ اس کا تعلق ایسے خاندان سے ہے جو خوبصورت پھول پیدا کرنے کے لیے مشہور ہے۔ اسی لیے بادام کے درخت کو محض بادام حاصل کرنے کے لیے ہی نہیں بلکہ پارکوں، لان اور گھروں میں بطور زیبائشی درخت بھی لگایا جاتا ہے۔ ان پر ہلکے گلابی رنگت کے پھول بہت بھلے اور جاذبِ نظر دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی موجودگی اردگرد کے ماحول کو معطر و رنگین بنائے رکھتی ہے۔

جیسا کہ اُوپر تحریر کیا جاچکا ہے کہ بادام کی کاشت دنیا بھر میں کی جاتی ہے۔ اسی لیے یہ ایک منافع بخش کاروبار بن گیا ہے۔ دنیا کے بیشتر ممالک بادام کو تجارتی پیمانے پر اگاتے ہیں اور لاکھوں ڈالر منافع کماتے ہیں۔ دنیا کے بڑے ممالک جو بادام کی پیداوار میں سب سے آگے ہیں درج ذیل ہیں: امریکہ، اسپین اور ایران۔ ان کے بعد اٹلی، مراکو، شام، افغانستان، ترکی، تیونس اور الجیریا کا نمبر آتا ہے۔ پاکستان میں بھی بادام اگایا جاتا ہے۔ کھاتے پیتے گھرانے اپنے لان میں بادام کا



درخت اس کے خوبصورت و جاذب نظر پھولوں کی وجہ سے لگاتے ہیں۔ تاہم وطن عزیز کے شمالی علاقوں اور مری وغیرہ میں بادام کے درخت موجود ہیں لیکن یہ تجارتی اہمیت کے حامل نہیں، حالانکہ ان درختوں میں خاطر خواہ اضافہ کر کے کثیر زرمبادلہ کمانے کے ساتھ ساتھ ملکی ضروریات کو بھی پورا کیا جاسکتا ہے۔ پاکستانی بازاروں میں اکثر افغانی، ایرانی یا امریکی بادام فروخت ہوتے ہیں۔ یہ بادام مقامی باداموں کے مقابلے میں زیادہ صحت مند، خوش ذائقہ اور غذائیت سے بھرپور ہوتے ہیں۔

بادام شیریں ہوں تو کھانے میں مزا آجاتا ہے جبکہ کڑوا بادام منہ کا ذائقہ خراب کردیتا ہے۔ پاکستانی غذائی اشیاء میں ان کا استعمال عام معمول کی بات ہے۔ بادام ثابت بھی کھائے جاتے ہیں۔ ان کی گری ہر چھوٹے بڑے کو بھاتی ہے۔ باداموں کے ٹکڑے کر کے انھیں کسٹرڈ، ٹریفلز، کھیر وغیرہ میں شامل کیا جاتا ہے۔ یوں ذائقے کے ساتھ ساتھ ان کی غذائیت بھی بڑھ جاتی ہے۔ بادام کا آٹا بھی بنایا جاتا ہے۔ بادام کی بڑی مقدار کو پیس کر سفوف نما پاؤڈر حاصل ہوتا ہے جسے عموماً Almond Flour کہتے ہیں۔ باداموں سے تیل بھی حاصل ہوتا ہے جو کہ طبی اہمیت کا حامل ہے، اسی لیے اطباء اس تیل کو متعدد امراض میں استعمال کرواتے ہیں۔ خاص کر خشکی اور جلدی امراض میں یہ تیل مفید ہے۔ تاہم بادام کے بارے میں یہ بات ہر خاص و عام جانتا ہے کہ حافظے کی تیاری، مضبوطی اور تیز کرنے کے معاملے میں باداموں کا کوئی ثانی نہیں۔ آج بھی ایسے شخص کو جو بھلکڑ ہو اور باتوں کو بھول جاتا ہو اُسے یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ بادام کھاؤ۔ بادام کا تیل سر میں لگانے سے بالوں کی افزائش ہوتی ہے جبکہ جلد (Skin) پر اس کا استعمال خشکی، کھردرے پن اور بے رونقی کو ختم کر کے جلد کو روشن، ہموار اور خوبصورت بنانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ پاؤں کے پھٹنے اور ایڑھیوں کو خوبصورت بنانے میں بھی روغن بادام استعمال ہوتا ہے۔

مارکیٹ میں بادام سے تیار کردہ مکھن بھی دستیاب ہے۔ جسے Almond Butter کہتے ہیں۔ یہ مکھن خاص طور سے ایسے افراد کے لیے مفید ہے جو اپنے خون میں کولیسٹرول کی مقدار بڑھانے سے خود کو بچانا چاہتے ہیں۔ بچوں کے حافظے کو تیز کرتا ہے۔ اُن کو سبق بھولنے کی عادت سے بچاتا ہے۔ بادام دودھ کی بوتلوں میں بھی استعمال ہوتا ہے جو دودھ کی افادیت میں اضافہ کرتا ہے۔ بادام کی مدد سے دودھ بھی تیار کیا جاتا ہے جسے Almond Milk کہتے ہیں۔ بادام کو دونوں میٹھی اور نمکین ڈشوں کی تیاری میں استعمال کیا جاتا ہے۔ ناشتے کی ڈشوں، پیسٹریوں، کیک وغیرہ میں بھی بادام استعمال ہوتے ہیں۔ یہ بادام غذائی اہمیت کو بڑھانے اور کیمیائی اعتبار سے بادام کھانے والے کے لیے کسی تحفے سے کم نہیں۔ آئس کریم، ڈونٹ، بسکٹ، کوکیز، کیک میں بھی بادام ڈالے جاتے ہیں۔ شربتِ بادام اور بادام ڈرنک طبیعت میں فرحت پیدا کرتے ہیں، اندرونی اعضاء کو صدمے اور چوٹ سے بچاتے ہیں۔ علاوہ ازیں ان کا استعمال عضلات اور ہڈیوں کو مضبوط کرتا ہے۔ اعضاء کو خشکی سے بچاتا ہے۔

کیمیائی تجزیہ سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ بادام غذائیت کا خزانہ ہیں۔ کیونکہ ان میں قدرتی طور پر نشاستہ، سٹارچ، شوگر، ریشے، چکنائی اور پروٹینز پائی جاتی ہیں۔ ان کے علاوہ بادام میں وٹامن اے، وٹامن بی6، وٹامن E کے ساتھ ساتھ آئرن، فاسفورس، میگنیشیم، میگنز، سوڈیم اور زنک بھی پایا جاتا ہے۔ بادام قوت باہ میں اضافہ کرتے ہیں جن کی بڑی وجہ ان میں غذائیت کا ہونا ہے۔ بادام کا باقاعدہ استعمال صحت کے لیے مفید ہے کیونکہ یہ ایک مکمل غذا کا کام کرتے ہیں۔

یہاں یہ بات بھی اہم ہے کہ پرانے، اندھیرے اور بغیر ہوادار یا نمی والے کمرے میں بادام ذخیرہ نہیں کرنے چاہییں کیونکہ سٹوریج اگر مناسب نہ ہو تو ASPERGILLUS FLAVUS نامی فنگس پیدا ہوجاتی ہے جو باداموں میں زہریلے مادے پیدا کر کے انھیں زہریلا کردیتی ہے۔ کیونکہ یہ فنگس AFLATOXINS پیدا کرتی ہے جو انسانی صحت کے لیے بھی خطرناک ہیں۔ بادام اپنے کھانے والوں کو کم کولیسٹرول دے کر اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے۔ بادام کھانے والوں کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا کبھی نہیں بھولنا چاہیے۔



الحمدللہ خطرہ ٹل گیا

حافظ عبدالوحید سوہدروی

قارئین کو یاد ہوگا کہ جولائی 2013ء کے ضیائے حدیث میں ناچیز کا مضمون بعنوان ''آپ بیتی'' چھپا تھا۔ مضمون میں ایف بی آئی کی سازشوں کے حوالے سے چند ماہ قبل اپنی طرف سے دوہزار ڈالر پاکستان بھیجنے کے بارے میں اس خدشہ کا اظہار کیا تھا کہ اس کے پیچھے بھی ان کی کوئی چال نہ ہو۔ (تفصیل جاننے کے لیے مذکورہ ضیائے حدیث ملاحظہ کرلیں*) مگر اللہ کا شکر ہے کہ 12 ستمبر 2013ء کو یہ خطرہ ٹل گیا۔ مضمون میں ذکر کردہ شاگرد اس روز ہمارے گھر آیا اور دو ہزار ڈالر معذرت کے ساتھ واپس کرکے کہنے لگا: مجھے پاکستان سے ضیائے حدیث کا متعلقہ آرٹیکل وصول ہوا ہے۔ میری نیت صاف تھی مگر بعض معاشی مجبوریوں کی وجہ سے رقم واپس کرنے میں تاخیر ہوئی۔ میں نے شکریہ کے ساتھ رقم وصول کی اور کہا کہ اللہ پاک ہمیں معاف فرمائے۔ لہٰذا اس طرح پس منظر میں ایف بی آئی کی چال والا خدشہ اس نے دور کردیا۔ ازاں بعد زبان سے اس آیت کریمہ کا وِرد شروع ہوگیا: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ﴾ ''تمام تر تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے ہم سے غم کو دور کردیا۔ یقیناً ہمارا رب تو بہت بخشنے والا قدردان ہے۔'' (فاطر 34:35)

اس امر کا کریڈٹ سب سے پہلے تو اللہ جلّ شانہٗ کو جاتا ہے جس کی دو انگلیوں کے درمیان انسان کا دل ہوتا ہے۔ وہ جدھر اور جب چاہے اسے پھیر دے۔ اس کے بعد ضیائے حدیث کریڈٹ کا مستحق ہے جس کی وساطت سے اللہ پاک نے معاملہ حل فرمادیا۔ پھر وہ صاحب بھی شکر کے مستحق ہیں جن کے آجانے سے ایف بی آئی کی چال بازی کا خدشہ دل سے جاتا رہا۔ اگر وہ نہ آتے تو کون انھیں مجبور کرسکتا تھا۔ ایسے موقع پر ان صاحب یا اصحاب کے لیے بھی دعا گو ہوں جن کا مجھے کچھ علم نہیں، البتہ ان کی کاوش اور توجہ سے یہ کام سرانجام پایا۔

اللہ پاک ہمارے ان بہی خواہوں کو بھی اجرِعظیم عطا فرمائے جو ہماری سلامتی کے لیے دعا گو رہتے ہیں۔ یہ چند سطور انھی کے اطمینان کی خاطر حوالہ تحریر کی ہیں۔ اللہ پاک سب کا حامی و ناصر ہو، آمین۔

---

* بہت کم ہی لوگ ہوتے ہیں جو سابقہ شمارے محفوظ رکھتے ہوں، لہٰذا جس مضمون کا حوالہ دیا گیا ہے اس کا خلاصہ عرضِ خدمت ہے: محترم حافظ عبدالوحید سوہدروی حفظہ اللہ سے کسی پاکستانی نوجوان نے مختلف حوالے دے کر تعلیم قرآن کا آغاز کرلیا اور ان سے کہنے لگا کہ پاکستان کوئی رقم بھیجنی ہو تو اس کے لیے آسان ہے۔ محترم حافظ صاحب نے ضیائے حدیث کے لیے کچھ رقم بھیج دی مگر نہ وہ رقم دفتر آئی اور نہ اس نے جواب دیا۔ رابطہ کرنے پر پتا چلا کہ کسی فوری ضرورت پر لگ گئی ہے جلد ہی پہنچ جائے گی مگر ایسا بھی نہ ہوا..... اس مضمون میں حافظ صاحب نے اسی خدشے کا اظہار کیا تھا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس بار راقم نے محترم حافظ صاحب حفظہ اللہ سے رابطہ کرکے عرض کی کہ آپ کے مضمون بہت پسند کیے جاتے ہیں مگر یہ مختصر سے مختصر ہوتے جارہے ہیں۔ تو انھوں نے جواب دیا کہ شمارہ دسمبر 2012ء میں چھپنے والی تصویروں کے بعد لکھنے کو دل ہی نہیں کیا۔ میں نے آئندہ تصویریں نہ چھپنے کا یقین دلایا ہے۔ امید ہے اب وہ تفصیلی طور پر لکھا کریں گے۔ (ایڈیٹر)



قاری محمد اقبال عزیز
دارالسلام، الریاض

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ذوالحجہ کے دس دنوں میں کیے ہوئے اعمال سے بڑھ کر اللہ کو کوئی عمل محبوب نہیں۔'' (سنن أبي داود: 2438، و جامع الترمذي: 758)

ان دس دنوں میں آخری دن، یعنی دس ذوالحجہ کو عید الاضحیٰ کے روز مسلمان دنیا کے طول وعرض میں اللہ کی راہ میں جانور قربان کرتے ہیں۔قربانی کی یہ داستان سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اپنے پیارے فرزند کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے سے شروع ہوتی ہے۔ انھوں نے خواب میں ملنے والے حکمِ الٰہی کے مطابق اپنے پیارے بیٹے اسماعیل کو اللہ کی راہ میں ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو اسی وقت اللہ تعالیٰ نے اعلان فرما دیا: ﴿يَاإِبْرٰهِيمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا﴾ ''اے ابراہیم! آپ نے اپنا خواب سچ کر دکھایا۔'' (الصآفات 37:104,105)

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ کاملہ سے اسماعیل علیہ السلام کو ذبح ہونے سے بچالیا اور ایک عظیم ذبیحہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسماعیل علیہ السلام کی جگہ ذبح ہوگیا۔اس عظیم جذبے کی یاد میں ہر سال دس ذوالحجہ کو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے جانور قربان کرنے کا سلسلہ شروع ہوا۔

قربانی کے مقاصد

❀ قربانی کا سب سے بڑا مقصد اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری اور اس کی رضا وخوشنودی کا حصول ہے۔

❀ اللہ کی راہ میں خالص اللہ کا نام لے کر جانور قربان کرنے سے ہر سال توحید باری تعالیٰ کا عملاً اعلان واظہار ہوتا ہے۔

❀ اللہ کی راہ میں ایک مسلمان کو اپنے جان ومال قربان کرنے کی عملی طور پر تربیت دی جاتی ہے۔

❀ فقراء ومساکین کو عمدہ کھانا کھلانا اور اپنے اہل وعیال پر بھی کھانے پینے میں وسعت پیدا کرنا قربانی کے پاکیزہ مقاصد میں سے ہے۔

❀ قربانی کے ذریعے اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرکے انسان اسی کے دیے ہوئے مال اور فضل کا شکریہ ادا کرتا ہے۔

قربانی کی شرعی حیثیت

قربانی کرنا ہر صاحب استطاعت مسلمان پر ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے بعد ہر سال قربانی کی اور اس میں کبھی ناغہ نہیں کیا۔جس عمل کو اللہ کے رسول ﷺ نے لگاتار کیا ہو اور کبھی نہ چھوڑا ہو اس میں غفلت کسی طور جائز نہیں۔آپ نے اس کے ترک پر وعید فرمائی اور سخت ناراضی کا اظہار کیا، ارشاد فرمایا: ''جس شخص کے پاس قربانی کرنے کی طاقت ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہمارے مصلے (عید گاہ) کے قریب نہ آئے۔'' (سنن ابن ماجه: 3123)

قرآن کریم کی متعدد آیات سے بھی قربانی کی تاکید ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ ''اپنے رب کے لیے نماز پڑھیے اور قربانی کیجیے۔'' (الکوثر 108:2) اس سے مراد قربانی کا جانور ذبح کرنا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر) نیز فرمایا: ﴿وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ﴾ ''ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس (اسماعیل) کے فدیہ میں دے دیا۔'' (الصّآفات 37:107)



قربانی سنّت رسول ﷺ اور سنّت ابراہیم علیہ السلام ہے۔ اس سے ہر سال اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اللہ تعالیٰ کو قربانیوں کے گوشت نہیں پہنچتے، نہ ان کے خون پہنچتے ہیں بلکہ اسے تو تمھارے دل کی پرہیز گاری اور تقویٰ پہنچتا ہے۔''

(الحج 37:22)

کیا قربانی کی رقم مساکین میں تقسیم کی جاسکتی ہے؟

جو لوگ کہتے ہیں کہ جانور ذبح نہ کریں بلکہ یہ رقم اللہ کی راہ میں غریبوں مسکینوں کو دے دی جائے ان کی یہ بات قطعاً درست نہیں۔ ہر عمل کی ایک حقیقت اور حکمت ہوتی ہے، اور اس کی ایک عملی صورت بھی ہوتی ہے۔ وہ عمل جس شکل وصورت میں نافذ کیا جانا مقصود ہو، اسے اسی شکل میں ادا کرنا ضروری ہے جیسے حج بیت اللہ کی ادائیگی کی ایک متعین صورت شریعت نے بیان فرمائی ہے، اگر وہ اسی صورت میں ادا ہوگا تو قبول ہوگا، آپ پر حج فرض ہے اور آپ اس کی رقم مساکین میں تقسیم کریں گے تو آپ سے یہ فریضہ کبھی ساقط نہیں ہوگا، اللہ کے ہاں آپ مجرم بن کر پیش ہوں گے۔ قربانی بھی خالص ایک عبادت ہے اور اس کی وہی شکل مقبول ہوگی جو اللہ کے رسول ﷺ نے بیان فرمائی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ قربانی کی رقم سے جانور ہی لے کر ذبح کیا جائے، صدقہ وخیرات کی شریعت میں اور بہت سی شکلیں موجود ہیں جنھیں اختیار کیا جاسکتا ہے۔ علمائے امت کا اس مسئلے میں اتفاق ہے کہ مسنون قربانی جانور قربان کرنے ہی سے ہوتی ہے۔

قربانی کن لوگوں پر ضروری ہے؟

❀ یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ ہر وہ شخص جس کے پاس قربانی کرنے کے لیے رقم موجود ہے یا اس کے وسائل اجازت دیتے ہیں تو اس کے لیے قربانی کرنا ضروری ہے۔

❀ اگر کسی نادار شخص کے پاس ایام قربانی میں اتنا مال آگیا کہ وہ قربانی کرسکتا ہو تو اس پر بھی قربانی کرنا ضروری ہوگا۔

❀ قرض لے کر قربانی کرنا بھی جائز ہے اگر قرض کی ادائیگی کی توفیق میسر ہو۔

❀ اگر کوئی شخص خود اپنا جانور قربان کرنے سے عاجز ہو تو کوئی دوسرا شخص اس کی طرف سے یہ ذمہ داری ادا کرسکتا ہے، لیکن کسی دوسرے کی طرف سے قربانی اس کی اجازت اور اطلاع کے بغیر کرنا درست نہیں۔

❀ جو لوگ اپنی طرف سے قربانی کرنے سے قاصر ہیں، انھیں مال دار لوگ قربانی کے جانور خرید کر دے سکتے ہیں تاکہ وہ قربانی کریں اور اپنے اہل وعیال کو کھلاسکیں۔

قربانی کرنے والے کے لیے ہدایات

❀ جو شخص قربانی کرنا چاہے، وہ ذوالحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد عید کی نماز پڑھنے تک اپنے ناخن اور بال نہ کاٹے۔ عورت اگر قربانی کرنا چاہتی ہے تو اس کے لیے بھی یہی حکم ہے، البتہ گھر کے دیگر افراد پر یہ پابندی نہیں ہوگی، یہ پابندی صرف قربانی کرنے والے شخص پر ہوگی۔

❀ جو قربانی کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو اور وہ بھی قربانی کرنے والوں کی طرح اپنے ناخن اور بال انھی کے ساتھ کاٹے تو بعض روایات کی رو سے اسے بھی قربانی کا ثواب ملے گا۔

❀ گنجائش ہو تو ہر گھر کے سربراہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر سال قربانی کا کم از کم ایک جانور ذبح کرے یا گائے اور اونٹ وغیرہ کی قربانی میں حصہ ڈالے۔ (مسند احمد: 76/5)

❀ اگر ایک گھر میں دو یا دو سے زیادہ بھائی رہتے ہیں اور سب شادی شدہ ہیں، ان کی آمدن الگ الگ ہے تو وہ سب اپنی اپنی قربانی کریں گے۔

❀ چھری کو خوب تیز کرلیا جائے تاکہ جانور کو ذبح کرتے وقت اسے زیادہ تکلیف نہ ہو۔

❀ چھری جانور کی آنکھوں کے سامنے تیز نہ کی جائے بلکہ اس سے کہیں چھپا کر تیز کی جائے تاکہ وہ اپنی آنکھوں کے سامنے چھری تیز ہوتے دیکھ کر اذیت محسوس نہ کرے۔

❀ اگر کسی شخص نے اللہ کی راہ میں جانور ذبح کرنے کی نذر مان رکھی ہو تو یہ نذر قربانی کے جانور سے پوری نہ ہوگی بلکہ نذر کا جانور الگ سے قربان کرنا پڑے گا۔

❀ قربانی کا جانور خریدنے کے بعد اگر مر گیا یا چوری ہوگیا یا گم ہوگیا تو امیر شخص دوسرا جانور خرید کر ذبح کرے گا لیکن غریب شخص کے لیے نیا جانور خریدنا لازم نہیں ہے۔

❀ ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اپنا جانور خود ذبح



کرے لیکن اگر کسی وجہ سے خود قادر نہ ہو تو وہ امکانی حد تک ذبح کرتے وقت وہاں موجود ہو۔ یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بے شمار ایسے ممالک ہیں جہاں پر مسلمان اقلیت میں ہیں اور ان کے لیے قربانی کا بندوبست کرنا نہایت دشوار ہوتا ہے یا وہ حکومتی رکاوٹوں کی وجہ سے قربانی نہیں کرسکتے، یا وہ بیمار ہوں اور اپنی بیماری کے باعث یا نوکری کی مجبوریوں کی وجہ سے قربانی ادا کرنے سے قاصر ہوں تو ایسے افراد کیا کریں؟ اس سلسلے میں علامہ محمد بن صالح عثیمین رحمہ اللہ اور دیگر علمائے کرام کے فتاوی موجود ہیں کہ ایسے لوگوں کے لیے اپنے ملک میں یا کسی دوسرے ملک میں کسی فرد کو یا فلاحی وسماجی خدمت کے ادارے کو وکیل بنانا جائز ہے، بشرطیکہ وہ فرد یا ادارہ با اعتماد ہو۔ وکیل جس شخص کی طرف سے قربانی کرے گا اس کا نام لینا بہتر ہے، تاہم نام نہ بھی لیا جائے تب بھی قربانی درست ہوگی۔

❀ عورتیں بھی اپنی قربانی کا جانور خود ذبح کرسکتی ہیں جیسا کہ صحابی رسول سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اپنی بیٹیوں کو خود ذبح کرنے کا کہتے تھے۔ عورت کا ذبیحہ حدیثِ رسول ﷺ کی رو سے درست ہے۔

❀ جانور کے پاؤں باندھ لیے جائیں اور اسے اچھی طرح قابو کرلیا جائے تاکہ وہ ہلنے سے زیادہ اذیت محسوس نہ کرے اور اس کے خون کے چھینٹے نہ اڑیں۔

❀ جانور کو ذبح کرتے وقت اس طرح لٹایا جائے کہ اس کا رخ قبلے کی طرف ہوجائے۔

❀ چھری چلانے سے پہلے یہ مسنون دعا پڑھی جائے: «إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْأَرْضَ حَنِيفًا وَّ مَآ أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ، إِنَّ صَلَاتِي وَ نُسُكِي وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ، لَا شَرِيكَ لَهٗ وَ بِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَ أَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ، اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ مِنْ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ وَأَهْلِهِ» (مسند أحمد:375/3)

❀ اس کے بعد بسم اللہ، اللہ اکبر اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنَّا کے دعائیہ کلمات کہہ کر جانور ذبح کیا جائے۔

❀ اگر کسی کو مذکورہ دعا نہ آتی ہو تو وہ اتنا ہی پڑھ لے: «بسم اللہ، اللہ اکبر» اور چھری چلا دے۔ اس کی قربانی درست ہوگی۔

قربانی کے جانور کس طرح کے ہوں؟

❀ قربانی کے سلسلے میں بہیمۃ الأنعام میں سے کوئی جانور ذبح کیا جائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ﴾ ''ہر امت کے لیے ہم نے قربانی کے طریقے مقرر کیے ہیں تاکہ وہ ان چوپائے جانوروں پر اللہ کا نام لیں، جو اللہ نے انھیں دے رکھے ہیں۔'' (الحج 34:22)

❀ بہیمۃ الانعام ان پالتو چوپایوں کو کہتے ہیں جو چرنے والے ہیں۔ درندے اور شکار کیے ہوئے جانور ان میں شامل نہیں ہیں۔ ان میں بکری، بھیڑ، دنبہ، گائے، بیل اور اونٹ وغیرہ شامل ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ .....وَ مِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَ مِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ﴾ ''(اللہ نے پیدا کیے) آٹھ نر مادہ، یعنی بھیڑ میں دو قسم، بکری میں دو قسم..... اور اونٹ میں دو قسم اور گائے میں دو قسم۔'' (الأنعام 144,143:6)

❀ ایک بکری، بکرا، بھیڑ، مینڈھا، یا دنبہ میں سے ایک گھرانے کی طرف سے ایک جانور کافی ہے، تاہم اگر کوئی زیادہ کرنا چاہے تو یہ عمل مسنون ہے۔

❀ گائے کی قربانی میں سات افراد اور اُونٹ کی قربانی میں دس افراد حصے دار ہوسکتے ہیں۔

❀ اگر کسی شخص کی ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان تمام خواتین اور ان کے بچوں کی طرف سے ایک ہی قربانی کافی ہوگی۔

❀ رسول اللہ ﷺ نے حج کے موقع پر 100 اونٹوں کی قربانی کی لیکن مدینہ طیبہ میں عید الاضحیٰ کے موقع پر آپ ﷺ نے دو موٹے تازے، بڑے سینگوں والے، سفید رنگ کے مینڈھے، جن میں کہیں کہیں سیاہ رنگ بھی تھا، ذبح کیے۔

قربانی کے جانور کی خصوصیات

❀ اگر مینڈھا ہو تو وہ خوبصورت، صحت مند اور خوب موٹا تازہ ہو۔

❀ قربانی کے جانوروں کو پال پوس کر خوب موٹا تازہ کرنا چاہیے۔ یہ محنت اور خدمت زیادہ باعثِ اجر وثواب ہے۔

❀ خصّی جانور کی قربانی نہ صرف جائز بلکہ افضل ہے کیونکہ اس میں گوشت زیادہ ہوتا ہے تاہم افزائش نسل والے جانور کی قربانی بھی جائز ہے۔



❀ حاملہ جانور کی قربانی بھی جائز ہے جبکہ دودھ پلانے والے جانور کی قربانی جائز نہیں۔

❀ اگر ذبح کرتے وقت جانور کے پیٹ سے مردہ بچہ نکل آئے تو اس بچے کا گوشت بھی حلال ہے۔ کیونکہ شریعت میں ماں کا ذبح کرنا جنین کے ذبح کرنے سے کفایت کرتا ہے۔ اس کے حلال ہونے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے۔

❀ انتہائی بوڑھا جانور جو جسم کی چربی سے خالی اور ہڈی کے گودے سے محروم ہو چکا ہو، ذبح نہ کیا جائے۔

❀ دودھ کے دو دانت نکال چکا ہو، یعنی جذعہ یا کھیرانہ ہو بلکہ مُسِنّہ یا دودانت والا ہو، وہ جانور قربان کیا جائے۔

❀ جذعہ سے مراد وہ بکرا، مینڈھا یا دنبہ ہے جو اپنی عمر کا ایک سال مکمل کر چکا ہو۔

❀ مُسِنّہ افضل ہے جبکہ ایک سال کا مینڈھا یا دنبہ بھی جائز ہے مگر ایک سال کے بکرے کی قربانی کی اجازت نہیں۔

جانور ذبح کرنے کا وقت

حدیث کے مطابق قربانی چار دن تک جائز ہے، یعنی یومِ نحر (10 ذوالحجہ) اور ایامِ تشریق (11، 12، 13 ذوالحجہ) کی شام تک، البتہ پہلے دن قربانی کرنا بعد والے دنوں کی نسبت افضل ہے۔ تاہم اگر جانور نہ مل رہے ہوں یا کسی کے پاس پیسے ہی تاخیر سے آئے ہوں تو وہ اگلے تین دنوں میں بھی قربانی کر سکتا ہے۔

❀ قربانی کا وقت نماز عیدالاضحیٰ کی ادائیگی کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اگر کسی نے نماز عید سے پہلے قربانی کر لی تو اسے قربانی کا ثواب نہیں ملے گا بلکہ وہ ایک عام جانور کا گوشت ہوگا۔ استطاعت ہو تو اسے نماز عید کے بعد ایک جانور دوبارہ ذبح کرنا ہوگا۔

❀ اگر دن کے وقت قربانی نہیں ہو سکی تو رات کے وقت بھی جانور ذبح کرنا جائز ہے، اس سے منع کرنے کی کوئی شرعی دلیل موجود نہیں۔

ایک سے زیادہ جانور ذبح کرنا

اگر کسی شخص میں استطاعت ہو تو وہ جتنے چاہے جانور ذبح کر سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے موقع پر 100 اونٹ نحر کیے تھے۔

قربانی کے گوشت کا استعمال

❀ گوشت کاٹنے اور بنانے والے کو اجرت کے طور پر قربانی کی کھالیں یا قربانی کا گوشت نہیں دینا چاہیے۔

❀ قربانی کے جانور کا چمڑا یا گوشت بیچنا جائز نہیں، تاہم چمڑا گھر میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

❀ قربانی کی کھالیں مساکین، مدارس کے طلبہ، بیواؤں اور مستحق لوگوں کا حق ہے، اس لیے کھالیں صرف اسی قسم کے مستحق لوگوں اور قابل اعتماد اداروں ہی کو دینی چاہییں۔

❀ مستحب یہ ہے کہ قربانی کے گوشت کو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے۔ اس کا اشارہ قرآن کریم کی اس آیت سے ملتا ہے: ﴿فَكُلُوا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ﴾ ''خود کھائیں، خود دار محتاجوں کو کھلائیں اور سائل کو بھی کھلائیں۔'' (الحج 36:22)

سیدنا عبداللہ بن مسعود اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم تین حصوں میں گوشت تقسیم کیا کرتے تھے اور اسی کی ہدایت دیا کرتے تھے، یعنی ایک حصہ اپنے گھر والوں کے لیے، دوسرا دوست احباب اور پڑوسیوں وغیرہ کے لیے اور تیسرا فقراء ومساکین اور عام محتاجوں کے لیے رکھا جائے۔ امام ابن کثیر، امام ابن قدامہ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اسی عمل کو ترجیح دی ہے، تاہم اگر عیال داری زیادہ ہو تو سارا گوشت بھی گھر میں استعمال کر لیا جائے اور اسی طرح سارا ہی تقسیم کر دیا جائے تو بھی جائز ہے۔ اسلام نے واضح کیا ہے کہ تم بیوی بچوں پر جو کچھ خرچ کرو گے، وہ تمھارا صدقہ ہے۔

❀ غیر مسلم کو بھی قربانی کا گوشت دیا جا سکتا ہے کیونکہ سورۃ الحج کی آیت 36 میں حکم عام ہے، اور یہ حکم غیر مسلم کو بھی شامل ہے، ممانعت کی کوئی دلیل موجود نہیں۔

❀ اگر کوئی شخص قربانی کا گوشت اپنے شہر سے باہر بھیجنا چاہے تو بھیج سکتا ہے۔ مدارس کے طلبہ، نادار، مفلس اور بیماروں کو بھی گوشت بھیجا جا سکتا ہے۔

❀ گوشت یومِ نحر اور ایامِ تشریق میں خوب کھایا جائے اور اسے بعد تک بھی رکھا جا سکتا ہے کیونکہ اسلام کے ابتدائی ایام میں 13 ذوالحج کے بعد گوشت روک رکھنے کی ممانعت تھی، لیکن بعد میں اس کی اجازت دے دی گئی تھی۔ (صحیح مسلم: 1971) بہرحال تین حصے کر کے اپنا حصہ کھائیں یا رکھ لیں جبکہ دو حصے تقسیم کر دینا ہی مستحب ہے۔

قربانی کی بدعات

❀ بعض لوگ قربانی کا جانور ذبح کرنے سے



پہلے وضو کرنے کو لازمی سمجھتے ہیں، شریعت میں ایسی کوئی دلیل موجود نہیں۔

❀ جانور کی کھال یا پیشانی پر خون لگانا، شریعت اسلامیہ میں ایسا کوئی حکم موجود نہیں۔

❀ جانور ذبح کرنے کے فوراً بعد اس کی کوئی ہڈی توڑنا، اس کے لیے بھی کوئی شرعی دلیل موجود نہیں ہے۔

❀ جانور ذبح کرتے وقت یہ کہنا یا اس کی نیت کرنا کہ یہ قربانی مسلمانوں کے فقراء کی جانب سے ہے۔ایسا کہنے کی کوئی مثال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں نہیں پائی گئی۔ نبی کریم ﷺ نے امت کی طرف سے جو اونٹ ذبح کیے وہ عمل آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہے۔

قربانی کی فضیلت میں ضعیف روایات

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان روایات کو بھی بیان کیا جائے جو عوام الناس میں بہت شہرت حاصل کر چکی ہیں مگر وہ تمام روایات ضعیف ہیں اور نبی کریم ﷺ سے ان کا بیان صحیح سند سے ثابت نہیں:

① دسویں تاریخ کو خون بہانے سے زیادہ کوئی عمل اللہ کو محبوب نہیں۔ (ضعيف سنن الترمذي: 1493)

② یہ قربانیاں قیامت کے روز اپنے سینگوں، بالوں اور کھروں کے ساتھ آئیں گی اور خون کا قطرہ زمین پر گرنے سے پہلے ہی قربانی بارگاہ الٰہی میں قبول ہو جاتی ہے، لہٰذا تم خوش دلی سے قربانیاں کیا کرو۔ (ضعيف سنن الترمذي: 1493)

③ آپ ﷺ سے پوچھا گیا: یارسول اللہ! یہ قربانیاں کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تمھارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہیں۔ ان کے ہر بال میں تمھارے لیے نیکی ہے۔ عرض کیا گیا: کیا اون والے جانوروں میں بھی؟ فرمایا: ہاں، اون کے ہر بال میں بھی نیکی ہے۔ (السلسلة الضعيفة: 1051)

④ اپنی قربانیوں کو خوب موٹا کرو، یہ قیامت کے دن پل صراط سے گزرنے کے لیے تمھارے لیے سواریاں بن جائیں گی۔ (ضعيف الجامع للألباني: 824)

⑤ قربانی کے جانور کے ہر عضو کے بدلے میں قربانی کرنے والے کے ہر عضو کو جہنم کی آگ سے آزادی ملتی ہے۔ (التلخيص الحبير: 1954)

⑥ رسول اللہ ﷺ نے رات کو قربانی کا جانور ذبح کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (جملة من الأحاديث الضعيفة والموضوعة: 372)

⑦ بیٹی فاطمہ اٹھو! قربانی کے جانور کو اپنا گواہ بنا لو، اس کے خون کے ہر قطرے کے بدلے میں تمھارے سابقہ گناہ معاف ہو جائیں گے۔ عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا یہ ہم اہل بیت کے لیے خاص ہے؟ فرمایا: نہیں، یہ میری امت کے لیے عام ہے۔ (مجمع الزوائد و منبع الفوائد: 4 / 17، حديث: 5934، و ضعيف الترغيب والترهيب: 674)

⑧ جو شخص خوش دلی سے قربانی کرے گا یہ اس کے لیے جہنم سے رکاوٹ بن جائے گی۔ (ضعيف الجامع للألباني: 5679)

عقیقے کا جانور اور قربانی کا جانور

عقیقے کے احکام قربانی سے قدرے مختلف ہیں۔ جانور کا انتخاب، گوشت کی تقسیم، اسے ضرورت مندوں تک پہنچانا، سب کچھ اسی طرح ہے جس طرح قربانی کے گوشت کے مسائل ہیں، البتہ اس میں یہ شرط ہے کہ لڑکے کی طرف سے دو بکرے ذبح کیے جائیں اور لڑکی کے عقیقے میں ایک بکرا ذبح کیا جائے، تاہم اگر کوئی دو سے زیادہ ذبح کرے گا تو باقی جانور صدقہ شمار ہوں گے۔

❀ عقیقے کا ایک جانور اپنے شہر یا ملک میں اور دوسرا جانور کسی اور شہر یا ملک میں ذبح کیا جاسکتا ہے، اس میں کوئی ممانعت نہیں۔

❀ عقیقہ بچے کی ولادت سے ساتویں دن کیا جائے۔ اگر ساتویں دن نہ ہو سکے تو پھر جب بھی ممکن ہو، عمر بھر میں کسی بھی وقت عقیقہ کیا جاسکتا ہے۔

❀ اگر نومولود ساتویں دن سے پہلے وفات پا جائے تو بھی اس کی طرف سے عقیقہ مستحب ہے۔ اگر بچہ مردہ پیدا ہو اور وہ چار ماہ سے زیادہ کا حمل تھا تو اس کی طرف سے عقیقہ کرنا مستحب ہے۔

❀ عقیقہ میں بکری بکرا، بھیڑ، مینڈھا، دنبہ افضل ہیں۔ اس میں قربانی کی طرح سات یا دس عقیقے نہیں ہو سکتے۔

❀ عقیقے کا گوشت پکا کر کھلانا بھی جائز ہے اور کچا تقسیم کر دینا بھی درست ہے۔ اگر آپ کے ہاں مساکین نہیں ہیں تو پھر کسی دوسری جگہ بھی جانور یا گوشت منتقل کیا جاسکتا ہے۔

وصلّى اللّٰه على نبينا محمد وآله وصحبه أجمعين.

دینی مدارس کی اہمیت

اور ان پر کی جانے والی تنقید کا علمی محاسبہ

آخری قسط:3

خطاب: الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ اعداد: حافظ شبیر صدیق، ریسرچ فیلو دارالسلام

تمام دنیا ملعون ہے

تو حقیقت یہ ہے کہ یہ پیغمبر علیہ السلام کا ورثہ جو آپ نے چھوڑا، اس کی طلب کا جو اہتمام ہو رہا ہے، علماء، طلباء یقیناً وہ بڑے کامیاب اور فائز المقام ہیں۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے پوری دنیا کو ملعون کہا ہے، پوری دنیا ملعون ہے، مستحق لعنت ہے۔ سوائے اللہ کے ذکر کے اور سوائے علماء کے اور سوائے طلباء کے اور پھر چوتھا وہ شامل ہو گیا جو ان کا خادم ہے۔ جو ان کے جوتے اٹھاتا ہے، ان کی خدمت کرتا ہے۔ وہ بھی شامل ہو جاتا ہے ان میں۔ یہ اصل مقام علم کا اور ذکر کا ہے، جو ذاکرین ہیں، متعلمین ہیں، علماء ہیں، ان کے سوا پوری دنیا ملعون ہے، البتہ جو ان کا خادم بن جائے، ان کا محبّ بن جائے وہ بھی اس لعنت سے باہر نکل آتا ہے۔ (جامع الترمذي: 2322) یہ مقام تو وہ ہے کہ اس میں عظمت ہی عظمت ہے۔ رحمتیں ہی رحمتیں ہیں۔ اللہ کے بندو! جو سب سے پہلے مدرسہ دینیہ قائم ہوا، کس نے قائم کیا؟ جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے۔ اصحاب صفہ کیا تھے؟ یہ مسجد نبوی کے طلاب علم کیا تھے؟ اس قائم ہونے والے پہلے مدرسے کے طالب علم اور اس مدرسے کا انتظام کیسا تھا؟ صحیح بخاری میں یہ روایت ہے، بئر معونہ کا قصہ۔ یہ رعل اور ذکوان کے قبائل نبی علیہ السلام کے پاس آئے اور کہا کہ ہماری جھڑپیں بھی ہوتی ہیں اور قوم اسلام قبول کر رہی ہے۔ ہمیں کچھ قراء دیں جن کی تعداد زیادہ ہوتا کہ وقت آنے پر جہاد بھی کریں، ہماری تربیت بھی کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے ستر قراء ان کو دیے ستر قراء۔ صحیح بخاری میں ان کے بارے میں تعارف اس طرح ہے کہ «كَانُوا يَحْتَطِبُونَ بِالنَّهَارِ وَيُصَلُّونَ بِاللَّيْلِ» ان کا کردار یہ تھا کہ دن کو جنگلوں میں جاتے، ایندھن اکٹھا کرتے، کاٹتے، اس کو بیچتے، کچھ معیشت کا انتظام کر لیتے اور پھر رات مسجد نبوی میں آ جاتے۔ مسجد نبوی میں پیغمبر علیہ السلام کے طلباء ہوتے اصحاب صفہ۔ (صحيح البخاري: 4090)

وہ کمایا ہوا مال ان دوسرے طلباء پر خرچ کرتے، ان کو کھلاتے، ان کی خدمت کرتے، اور ان سے وہ علم نافع حاصل کرتے جو دن بھر انھوں نے حاصل کیا ہوتا۔ اصحاب صفہ منتظر رہتے کہ اللہ کے پیغمبر پر وحی آئے، آپ ہمیں پڑھ کر سنائیں، کوئی پیغمبر علیہ السلام کا عمل، کوئی آپ کا فرمان ہم تک پہنچے۔ اس کو جمع کرتے، سمیٹتے، سمجھتے، یاد کرتے، اپنے سینوں میں محفوظ کرتے، پھر یہ لوگ رات کو لکڑیاں کاٹ کر بیچ کر کچھ کما کر پہنچ جاتے، پھر ساتھ مل کر کھاتے، علم کا مذاکرہ کرتے، اللہ کی وحی سنتے، حدیثیں سنتے اور پھر کچھ وقت سو کر اٹھتے قیام اللیل کے لیے۔ یہ ان کا وتیرہ حیات تھا۔ جن کو لوگ



مذاق کرتے ہیں کہ ان کا کیا فائدہ، انھوں نے قوم کو کیا دیا؟ پاکستان کو کیا دیا؟

اللہ کے بندو! تم بدولوگ کیا سمجھو کہ یہ لوگ کیا ہیں؟ اصحاب صفہ کے یہ طالب علم کسریٰ اور قیصر کے فاتح بنے یا نہیں بنے؟ اسلام کہاں تک پھیلا اور کفار کی کمر ٹوٹی۔ مرکزی کردار کس کا تھا؟ تم ان کو معمولی سمجھتے ہو، حقیر سمجھتے ہو کہ یہ فقیر ہیں، ٹھکرائے ہوئے ہیں، پسماندہ ہیں۔ ارے اللہ کے بندو! ان کی آنکھوں میں وہ بصیرت ہے جس کو تم پہچان ہی نہیں سکتے۔ تو یہ نہیں کہ صرف اسی دور کی بات ہے۔ میں جانتا ہوں کہ افغانستان میں روس سے ٹکر لینے والے ان مدارس کے طلباء تھے۔

دین کے کسی ایک مسئلے پر جماعت بنانا

آج لوگ مدارس کے خلاف باتیں کرتے ہیں کہ یہ کیا قال قال رسول اللہ ہورہا ہے؟ نکلو، جہاد کرو۔ نبی علیہ السلام کے دور میں ایسی کوئی تبلیغ نہیں تھی۔ ایسی کوئی الگ جماعت نہیں تھی جو جماعۃ المجاہدین ہو، جن کا کام یہ ہو کہ وقف ہوں جہاد کے لیے۔ نہیں، سارے کام کرتے تھے۔ پڑھتے بھی تھے، کاروبار بھی کرتے تھے، کماتے بھی تھے، جب وقت جہاد آتا تو جہاد کرتے۔ الگ سے کوئی جماعت نہیں تھی۔ دینی مدارس کے طلباء نے یہ ثابت کردکھایا کہ روس جیسی طاقت بھی ان کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ اصل بات یہ ہے کہ ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ﴾ ''تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرلو اللہ تمھیں ہر چیز سکھادے گا۔'' (البقرۃ 282:2) سیاست کیسے کرنی ہے؟ جہاد کیسے کرنا ہے؟ ایجادات کیسے کرنی ہیں؟ اللہ تمھیں سب کچھ سکھادے گا وقت آنے پر۔ یہ ضروری نہیں کہ سب کچھ چھوڑ کر تم ایک مقام پر بیٹھ جاؤ کہ ہم نے صرف یہ کام کرنا ہے۔ نہیں سب کچھ کرو اللہ کے خوف اور تقویٰ کی اساس پر۔ وقت آئے گا تمھیں اللہ ہر چیز سکھادے گا۔ وقت آیا ان مدارس کے طلباء نے روس کے دانت کھٹے کردیے۔ تو بعد میں لوگ آگئے ان پر سیاست چمکانے والے لیکن اس وقت اصل کردار انھی طلباء کا تھا۔ اللہ کا خوف اختیار کرلو وقت آنے پر تمھیں اللہ ہر چیز سکھادے گا۔ تو یہ مدرسہ نبی علیہ السلام کے دور میں، اصحاب صفہ یہ اللہ کے پیغمبر کے طلباء یعنی یہ مدرسہ کس طرح چل رہا ہے۔ معاشرے کے کچھ لوگوں کی کمائی کے ساتھ چل رہا ہے۔ وہ دن بھر ایندھن اکٹھا کرتے، اسے بیچتے اور پھر جو کماتے وہ لے آتے، خود بھی کھاتے، ان طلباء کو ساتھ شامل کرلیتے۔ انھیں یہ غذا دیتے اور وہ انھیں روحانی غذا دیتے۔ کہ تم نے دن بھر لکڑیاں کاٹیں، ہمارے لیے کمایا اور ہم نے دن بھر اللہ کے پیغمبر کے فرامین سنے، ہم تمھیں یہ فرامین سناتے ہیں۔ ان کا کردار زیادہ اہم ہے۔ جو روحانی غذا دیتے ہیں زیادہ اہم ہے۔ تو اس طرح یہ مدارس قائم ہوگئے۔

ایک محدث ایک مدرسہ ہے

جہاں ایک محدث بیٹھا ہے وہ ایک مدرسہ ہے۔ ایک محدث اپنے مقام پر ایک انجمن ہے۔ ایک دینی ادارہ ہے۔ طلباء وہاں آتے اور علم حاصل کرتے۔ اور یہ سلسلہ اب تک قائم ہے اور قیامت تک قائم رہے گا کیونکہ پیغمبر علیہ السلام کا فرمان ہے: اس علم کو تم مجھ سے سنتے ہو، آگے لوگ سنیں گے اور آگے سنتے رہیں گے۔ قیامت تک یہ علم کا سماع قائم رہے گا۔ جہاں یہ سماع ہوگا وہ دینی ادارہ اور مدرسہ ہے۔ چاہے وہاں کوئی اینٹیں نہ ہوں، درخت کے سائے تلے بیٹھے ہوں، اپنے گھر میں بیٹھے ہوں۔ سفیان ثوری کے بقول کہ «لَو أَنَّ فَقِيهًا عَلَى رَأْسِ جَبَلٍ لَكَانَ هُوَالْجَمَاعَةُ» اگر ایک عالم دین پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھا ہے تو لوگو سنو! وہ جماعت ہے۔ (حلاوۃ العلم: 1/11) اپنے سارے دھندے چھوڑ کر پہاڑ کی چوٹی پر چڑھو اور اس سے علم حاصل کرو جاکے۔ تم اس کے محتاج ہو، وہ تمھارا محتاج نہیں ہے۔ تم اس کے پاس جاؤ اور علم نافع حاصل کرو کیونکہ علم نافع یہ تمھاری بقا کی ضمانت ہے۔ اخروی کامیابی کی ضمانت ہے۔

طلبائے دین کا مقام

اور اللہ پاک نے کیا فرمایا: ﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ﴾ (الکھف 28:18) اے محمد ﷺ! آپ انھی کے ساتھ بیٹھیں، یہ طلباء، اصحاب صفہ، بلال حبشی، صہیب رومی، عمار بن یاسر، عبداللہ بن مسعود، ان کے ساتھ بیٹھو تم بڑے صبر کے ساتھ۔ کچھ کفار نے کہا تھا کہ اگر ہمیں دعوت دینی ہے تو غرباء کو، فقراء کو اٹھادو، الگ سے بیٹھو ہمارے ساتھ۔ ان کے ساتھ ہم نہیں

بیٹھ سکتے۔ ان کی کیا جرأت کہ ہمارے ساتھ بیٹھیں۔ مقابلے پہ، ہمارے برابر بیٹھیں۔ ان کو اٹھادو۔ اللہ پاک نے فرمایا کہ نہیں، ﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ﴾ آپ صبر کے ساتھ بیٹھیں ان لوگوں کے ساتھ جو صبح و شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں۔ اللہ کا ذکر کرتے ہیں، (الکھف 28:18)

طلباء کے لیے نصیحت

اے میرے طلباء! یہ طلباء کا مقام ہے کہ علم نافع کو حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ صبح و شام اپنے پروردگار کو پکارو۔ اللہ کا ذکر کرو۔ صبح کے اذکار پڑھو۔ شام کے اذکار پڑھو۔ اور ﴿يُرِيدُونَ وَجْهَهُ﴾ ان کی ایک ہی طلب ہے، ایک ہی حرص ہے کہ اللہ کی رضا حاصل ہوجائے۔ ان کی نیتیں خالص ہیں۔ نیتیں خالص ہیں یہ دین کے تعلق سے۔ ایک ڈاکٹر کی نیت کیا ہے؟ ایک انجینئر کی نیت کیا ہے؟ الا ماشاء اللہ۔ بس مال کمانا ہے۔ ہم نے اتنا پیسہ انویسٹ کیا ہے اب کمانے کا وقت آ گیا۔ بے تحاشا فیسیں۔ یہی ایک حرص ہے نا؟ الا ماشاء اللہ۔ لیکن ایک دین کا طالب علم اس کی نیت ہمیشہ استقامت ہوتی ہے کہ جو کچھ ہے اللہ کی رضا کے لیے ہے۔ اور یہ پورے دین کا نچوڑ اور خلاصہ ہے۔ تو اے پیغمبر! آپ ان کے ساتھ بیٹھیں۔ ان کے ساتھ بیٹھنا ہی ترقی ہے۔ یہ دنیادار، بڑے بڑے عہدوں کے مالک اور بڑے بڑے درہم و دینار کے مالک، ان کے ساتھ نہیں، ان (طلباء) کے ساتھ بیٹھو۔ اسی مدرسے کا ایک طالب علم نبی علیہ السلام کے پاس آیا۔ ایک تو وہ قبیصہ بن مخارق دوسرا ایک اور طالب علم لاٹھی ٹیکتے ٹیکتے اللہ کے پیغمبر تک پہنچا، آنکھوں سے نابینا تھا۔ گھر کہیں دور تھا۔ ایک بار پیغمبر علیہ السلام کے پاس آیا، کہا کہ یارسول اللہ ﷺ! کوئی میرا قائد نہیں، گھر دور ہے، مجھے اجازت دیں کہ نماز گھر پڑھ لوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اذان سنتے ہو؟ کہا کہ جی ہاں۔ فرمایا کہ پھر آنا پڑے گا۔ کہا کہ راستے میں جانور ہیں، درندے ہیں، کوئی قائد نہیں ہے، تکلیف ہوسکتی ہے۔ فرمایا: آنا پڑے گا۔ (سنن النسائي: 852,851)

اب یہ عبداللہ بن مکتوم نبی علیہ السلام کے پاس آیا۔ بڑی تکلیف سے آیا ہوگا۔ لاٹھی ٹیکتے ٹیکتے اللہ کے پیغمبر تک پہنچا۔ رسول اللہ ﷺ اس وقت سلاطینِ قریش کو دعوت دے رہے تھے۔ اس نے آکر اپنی حاجت پیش کردی۔ یارسول اللہ ﷺ مجھے فلاں مسئلے کا حل چاہیے۔ پیغمبر علیہ السلام کو کچھ ناگوار گزرا اور آپ نے اس سے اعراض کرلیا۔ آپ کی خواہش یہ تھی کہ ان تک پوری بات پہنچادوں پھر بعد میں اس کی بات بھی سن لوں گا۔ یہ آپ نے اس لیے کہا ہوگا کہ جن سے بات کررہا ہوں ان سے بات پوری ہوجائے بعد میں اس کی بات سن لوں گا۔ دوسری وجہ یہ بھی ہوگی جو یہ آیا ہے عبداللہ بن مکتوم یہ تو مسلمان ہے، اس کے پاس علم ہے، کوئی جز اس کے پاس نہیں ہے۔ جن کو سمجھا رہا ہوں ان کے پاس تو کل کا کل نہیں ہے۔ جن کے پاس کل نہیں انھیں زیادہ توجہ دینی چاہیے۔ جس کے پاس سب کچھ ہے کوئی ایک آدھ جز نہیں ہوگا اس کو بعد میں موقع دے دوں گا۔ اللہ کو یہ بات ناپسند آئی اور کچھ خفگی کا اظہار کیا، کچھ ناراضی کا اظہار کیا۔ محبت کے انداز میں ڈانٹ ڈپٹ بھی کردی۔ کہ محمد ﷺ نے اعراض کرلیا، اس صحابی سے، عبداللہ سے، اس

آہنگ خیال

فرق.....ایک مسرت وہ ہے جو کسی چیز کو حاصل کرکے ہم محسوس کرتے ہیں اور ایک مسرت وہ ہے جو اسی چیز کو کسی دوسرے ضرورت مند کو دے کر ہم حاصل کرتے ہیں۔

اصول پسندی.....اصول پسندی اچھی بات ہے لیکن اصولوں کو اپنے اوپر اتنا طاری نہ کرلیں کہ آپ خود کو انسان کی بجائے مشین سمجھنے لگیں۔

مختلف.....ایک ہی بات مختلف ماحول، مختلف اوقات اور افراد کے سامنے مختلف اثر رکھتی ہے۔

امید..... مجھے امید ہے کہ اللہ میری اس بے طلب زندگی میں ہوجانے والی کوتاہیوں پر زیادہ گرفت نہیں کرے گا۔

انسان کی حیثیت.....انسان فطرت کی طاقتور ترین ایجاد ہے۔ لیکن پھر بھی فطرت کے سامنے انسان کی حیثیت ایسے ہی ہے، جیسے ہمارے سامنے چیونٹی اور مچھر کی۔



کی طرف توجہ نہیں دی۔ ماتھے پر بل آ گئے۔ فرمایا کہ جو مستغنی ہے ان کی آپ فکر کر رہے ہیں اور جو آپ کے پاس آیا ﴿يَسْعٰى﴾ بڑی کوشش سے پہنچا ﴿وَهُوَ يَخْشٰى﴾ اور اس کا دل اللہ کے ڈر سے بھرا ہوا ہے۔ اس کے دل میں خشیت ہے۔ یہ مستغنی لوگ ہیں ان کو کوئی پروا نہیں، اسلام قبول کرنے کی کوئی خواہش، کوئی حرص نہیں اور یہ شخص جو بڑی محنت سے، کوشش سے پہنچا، اس کا دل اللہ کی خشیت سے لبریز ہے، بھرا ہوا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: 319/8) اللہ رب العزت نے کچھ اظہار خفگی کیا اس طالب علم کی خاطر۔ اپنے پیغمبر کو کچھ تنبیہ کر دی اس طالب علم کی خاطر۔ تو یہ طلباء کا مقام ہے کہ ان کو وقت دو، ان پر توجہ دو، جو سوال یہ کرتے ہیں علم نافع کے تعلق سے اس کا جواب دو، ان کے مسائل حل کرو۔ یہ طلباء کا مقام ہے۔

دینی مدارس کا سلیبس

حقیقت یہ ہے کہ دینی مدارس اساسی طور پر، بنیادی طور پر اسلام کے قلعے ہیں۔ یہاں وہ کچھ آپ کو ملے گا جو اور کہیں نہیں مل سکتا۔ یہ میرا دعویٰ ہے۔ بڑی بڑی درسگاہیں، بڑے بڑے ان کے بجٹ ہیں لیکن جو تعلیم یہاں قائم ہے، موجود ہے یہ کہیں بھی نہیں ہے۔ اور خاص طور پر جو ہمارے پاکستان کے مدارس ہیں، سلفی مدارس، ان کے سلیبس اور مناہج آپ اٹھا کر دیکھیں اتنے قوی ہیں کہ جو روحانی غذا، علم نافع کی غذا یہاں ملتی ہے اور کہیں نظر نہیں آئے گی۔ ہم علم حاصل کرنے کے لیے باہر گئے جامعۃ الامام میں، مدینہ یونیورسٹی میں، وہاں کے سلیبس بھی یہاں کے مقابلے میں ادھورے ہیں۔ علمی تشنگی وہاں بھی نہیں بجھی جو یہاں بجھی، جو ہمارے مشائخ نے یہاں ہمیں دیا وہاں نظر نہیں آیا، کچھ مسائل ایسے ہیں جن میں وہاں بڑی محنت ہے جیسے توحید ہے، عقیدہ ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ جو علم نافع ان مدارس میں ہم کو حاصل ہوا وہ بڑا گہرا، انتہائی تعمق کے ساتھ ہے۔

یونیورسٹیوں کا سلیبس

اور جو یہاں کی یونیورسٹیاں ہیں وہ تو ہیں ہی بالکل سطحی، بودی، کچھ نہیں ہیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ رحمانیہ (سولجر بازار کراچی) میں ہمارا یہ سلیبس نو سال کا تھا اور میں تیسری جماعت کا طالب علم تھا، کراچی یونیورسٹی کا ایک طالب علم ایم۔ اے کر رہا تھا۔ وہ عربی مجھ سے پڑھنے آتا تھا۔ عربی اور اسلامیات مجھ سے پڑھنے آتا تھا، حالانکہ میں درجہ ثالثہ کا چھوٹا سا طالب علم تھا اور وہ بہت بڑا عمر میں، ایم۔ اے کر رہا تھا۔ تو کتنا سطحی سلیبس ہے کہ ہمارے ابتدائی طالب علم اس کو پڑھا سکتے ہیں۔ تو ان مدارس کے پیچھے کیوں پڑے ہیں آپ؟ آپ سے یہ کیا مانگتے ہیں؟ گورنمنٹ سے کیا مانگتے ہیں؟ تم جو مرضی کرو، حکومتیں کرو، ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دو۔ ہم جانیں ہمارے طلباء جانیں۔ اور بحمداللہ نظام چل رہا ہے۔ ہزاروں مدارس ہیں اور لاکھوں طلباء بحمداللہ فارغ ہوئے اور دین کا کام کر رہے ہیں۔ مسجدیں آباد ہیں، مدارس آباد ہیں، دعوت کا کام ہو رہا ہے، دروس کا کام ہو رہا ہے۔ یہ کس کا رہین منت ہے؟ یہ پروگرام ان مدارس سے آیا، بڑی ان کی قیمت ہے، بڑا ان کا مقام ہے۔ تحفظ دین کے قلعے ہیں۔ ورنہ آج صحیح بخاری صرف لائبریریوں میں پڑی رہ جائے۔ بخاری شریف کون پڑھتا، کون پڑھاتا ہے؟ ادارہ ہے تو کوئی پیش کرو۔ صرف دینی مدارس صحیح بخاری پڑھاتے ہیں، صحیح مسلم پڑھاتے ہیں۔ ورنہ یہ کتابیں صرف لائبریری کی زینت ہوتیں۔ ان کو پڑھا جا رہا ہے، پڑھایا جا رہا ہے اور یہ نور طلباء کے سینوں میں منتقل کیا جا رہا ہے۔ یہ صرف ان مدارس کا کمال ہے اللہ پاک کی توفیق سے، اس لیے علماء کا مقام ہے۔ طلباء کا مقام ہے۔ نبی علیہ السلام نے ہر چیز کو ملعون قرار دیا سوائے علماء اور طلباء کے جن کے ساتھ تعلق جو ہے وہ اللہ کی رحمت کا موجب ہے۔ اس کے حصول کا موجب ہے۔ تو یہ مدارس انتہائی اعلیٰ اور گراں قدر ادارے ہیں اور ان سے بحمداللہ علم نافع کا سلسلہ جاری اور قائم ہے۔ اللہ ان کو قائم رکھے اور آباد رکھے اور یہ تعلق بڑھتا رہے اور یہ علم پھیلتا رہے۔ عمل پھیلتا رہے ورنہ میرے دوستو اور بھائیو! ﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ﴾ انسان گھاٹے میں ہے۔ ﴿إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ (العصر 103، 2،3) صحیح ایمان، صحیح عقیدہ، عمل صالح یہ چیزیں ہیں جو گھاٹے سے نکالنے والی ہیں۔ ان کا حصول ان مدارس اور علماء کا رہین منت ہے۔

وَأَقُوْلُ قَوْلِيْ هَذَا وَأَسْتَغْفِرُاللّٰهَ لِيْ وَلَكُمْ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.





ریلیف

عوام کو یا سرکاری خزانے کو؟

حافظ عبدالسمیع، ریسرچ فیلو دارالسلام

موجودہ دور کو تحقیق کا دور کہا جاتا ہے۔ نت نئی تحقیقات اور ایجادات سامنے آرہی ہیں۔ اشیاء کو مشاہدے اور تجربے کی کسوٹی پر پرکھا جارہا ہے۔

محترم قارئین! وقت کی پکار، عقل کا تقاضا یہ ہے کہ کسی ضابطے یا نظریے کو اپنانے یا ٹھکرانے سے پہلے یہ دیکھیں کہ ہمیں کیا نظر آرہا ہے؟ حقیقت میں کیا ہے؟ خرد کی رائے کیا ہے؟

ہم انسان ہیں، مسلمان ہیں، ایک آزاد اسلامی سلطنت کے باشندے ہیں۔ بہ حیثیت انسان، مسلمان ہمارا معاشی نظام کیا ہونا چاہیے، کون سا لائحہ عمل ہمارے لیے کارآمد ہے، نافع ہے؟ مثلاً: ہماری حکومت کے لیے خالی خزانوں کو بھرنا یا عوام کو ریلیف دینا کسے اہمیت دینی چاہیے؟ یہ دونوں معاملات نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔

آج کے محقق، دانشور، مدبر یقیناً دفاع کی خاطر پہلی صورت کو ترجیح دیتے ہیں اور یہ بات عام سمجھ میں آنے والی بھی ہے۔ لیکن اس صورت میں عوام کو ریلیف ملنا درکنار، مزید مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اور صورت حال یہ ہوجاتی ہے کہ حکمران طبقہ عوام سے قربانی کا خواہاں ہوتا ہے اور عوام دو وقت کی روٹی کو ترس رہی ہوتی ہے۔

اسلام اس نازک صورت حال میں ہمیں حکمت وبصیرت کے ساتھ دانشمندانہ فیصلے کرنے اور بھرپور دفاعی صلاحیتیں پیدا کرنے کا درس دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ وَ اٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ﴾ ''اور تم لوگ، جہاں تک تمھارا بس چلے، زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلے کے لیے مہیا رکھو تاکہ اس کے ذریعے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور اس دوسرے اعداء کو خوف زدہ کردو جنھیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے۔'' (الانفال 60:8)

آیئے! ہم جائزہ لیتے ہیں کہ دفاع کا مفہوم کیا ہے؟

دفاع کا لغوی مفہوم

دفاع لغت میں حفاظت، بچاؤ اور روک کو کہا جاتا ہے۔ جسے انگریزی میں Defence کہتے ہیں۔

دفاع کا اصطلاحی مفہوم

دفاع کے اصطلاحی مفہوم میں بڑی وسعت ہے اور اس کا دائرہ کار بہت وسیع ہے، مثلاً: اللہ اور اس کے رسول کا دفاع کرنا، قرآن کریم کا دفاع، ناموس صحابہ کا دفاع، اپنے ملک کا دفاع، اپنی عزت وغیرت کا دفاع، قوم وقبیلے کا دفاع، سیاسی پارٹی کا دفاع کرنا وغیرہ۔

بہرحال دفاعی صلاحیت کا ہونا ہر ملک و خطے، قوم و قبیلے اور فرد کی ضرورت ہے۔ بالخصوص اہل اسلام کو اپنی تمام تر دفاعی



پوزیشنوں کو مستحکم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اب اپنے موضوع کی طرف بڑھتے ہیں کہ آج کے حالات میں خالی خزانوں کا بھرنا یا عوام کو ریلیف دینا، کون سی صورت دفاعی پوزیشنوں کو مضبوط و مستحکم کرے گی؟

ماضی کے درخشاں ابواب اور تاریخ کے سنہرے اوراق کھنگالنے سے یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ عوام کو ریلیف دینا اور عوامی ضروریات کو پورا کرنا خزانوں کو بھرنے سے زیادہ فائدہ مند ہے۔ اس سے عوام کا حکومت پر اعتماد قائم ہوتا ہے، عوام انھیں اپنا ہمدرد، خیر خواہ سمجھنے لگتے ہیں، یہی وہ متاع عظیم ہے جو ایک سلطنت کے بقا کے لیے ریڑھ کی ہڈی بن جاتی ہے۔ اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی حکومت کے ابتدائی ایام پر اک نظر ڈال لی جائے۔

اسلامی سلطنت کے ابتدائی ایام

مدنی زندگی کے ابتدائی ایام پر نظر دوڑائی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ غربت کا دور تھا، اکثر مسلمانوں کی مالی حالت بہتر نہ تھی بالخصوص مہاجرین میں غربت زیادہ تھی۔ اور اس ننھی سی اسلامی سلطنت کا نہ کوئی خزانہ تھا اور نہ ہی مستقل ذرائع آمدنی تھے۔ بس اللہ کے مخلص بندے اپنی جمع پونجی لیے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے گرد پروانوں کی طرح جمع تھے۔ یہاں تک کہ اپنے ذاتی مصارف پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بدر کے مقام پر میدانِ جنگ میں اتر پڑے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں فتح مبین سے سرفراز کردیا۔ اس موقع پر کافروں کا کچھ ساز وسامان بھی مسلمانوں کے ہاتھ لگ گیا، اس طرح مال غنیمت کی صورت میں اسلامی سلطنت کو یہ پہلی آمدنی حاصل ہوئی۔

اسلام میں پہلی آمدنی کی تقسیم

اسی موقع پر اسلام نے حکومت کی آمدنی کے متعلق واضح اور شفاف نقطۂ نظر سے آگاہ کردیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ ''یہ لوگ آپ سے غنیمتوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، آپ فرمادیجیے! کہ یہ غنیمتیں اللہ اور اس کے رسول کی ہیں، تم اللہ سے ڈرو اور اپنے باہمی تعلقات کی اصلاح کرو اور اگر تم مومن ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔'' (الانفال 8:1)

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا رسول اس مال کو اللہ کے حکم سے تقسیم فرمائے گا، نہ کہ تم آپس میں جس طرح چاہو اسے تقسیم کرلو۔

پھر اس اجمال کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ﴾ ''جان لو کہ جو کچھ مال غنیمت تم نے حاصل کیا ہے، اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔'' (الانفال 8:41)

اس آیت میں مال غنیمت کے متعلق بتلا دیا کہ اسے پانچ حصوں میں تقسیم کرلیا جائے، پانچواں حصہ حکومت کے خزانے کے لیے ہے اور بقیہ چار حصے مجاہدین میں تقسیم کردیے جائیں۔

نیز اسی آیت میں حکومتی مال کے مصارف بتلادیے کہ اسے پانچ حصوں میں تقسیم کردیا جائے جن میں سے ایک حصہ اللہ کے رسول ﷺ کے لیے اور بقیہ چار حصے آپ کے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہیں۔

محترم قارئین! اس وقت اسلامی سلطنت کے دفاع کے لیے شدید ضرورتیں تھیں، تنہا اسلام مٹھی بھر مددگاروں کے ساتھ دشمنوں کے نرغہ میں گھرا ہوا تھا۔ مشرکین، یہود و نصاریٰ حتی کہ رومی اور ایرانی حکومتیں جو اس دور کی سپر پاور طاقتیں شمار ہوتی تھیں سب کی نگاہیں مدینہ منورہ کی اس دعوت و تنظیم پر لگی ہوئی تھیں۔ ان تمام خطرات سے بے پروا ہوکر اسلامی خزانے کی اس پہلی آمدنی کو پانچ حصوں اور پھر پانچویں حصے کو مزید حصوں میں تقسیم کردیا گیا۔

خزانے بھرنے کی بجائے عوام کو ریلیف

اس تقسیم میں حکومتی خزانے کے لیے کتنی معمولی رقم نکالی گئی تھی اور بقیہ تمام آمدنی رعایا کو ریلیف دینے کے لیے استعمال کردی گئی تھی۔ اسی طرح یہ سلسلہ بڑھتا رہا اور اسلامی خزانے کی آمدنی میں اضافہ ہوتا رہا۔ اور اسی نہج پر عوامی ضروریات کو ترجیح دی جاتی رہی اور جو مال خزانے میں جمع ہوتا تھا وہ بھی عام مسلمانوں کی ہی ضروریات پر خرچ کردیا جاتا تھا۔

سرکاری خزانے اور عام تقسیم

بتدریج رسول اللہ ﷺ کا سیاسی اقتدار عرب میں بڑھنے لگا اور عرب کے قبائل مختلف طریقوں سے آپ کے زیر اثر آ گئے۔ مدینے کے اطراف کے یہود اور خیبر کے یہود کی زمینوں پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو قبضہ دلا دیا اور یوں مختلف ذرائع سے آمدنی کا امکان پیدا ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے عہدِ مبارک ہی میں ایسی صورتیں اختیار فرمائیں جن کے ذریعے سے اسلامی خزانے میں دو قسم کی آمدنیاں آنے لگیں:

① غیر مسلم اقوام کی زمینوں (کھیتوں، باغوں) سے جو آمدنی حاصل ہوتی تھی یا جزیہ کے نام سے جو محصول ان سے وصول ہوتا تھا۔

② زکاۃ وصدقات اور عشر وغیرہ کے ذریعے جو آمدنی حاصل ہوتی تھی۔

پہلی قسم کی آمدنی مسلمانوں کے تمام افراد میں تقسیم کر دی جاتی تھی، خواہ وہ غریب تھے یا امیر، ہاشمی تھے یا غیر ہاشمی۔

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک بڑی آمدنی (ایک لاکھ درہم) بحرین سے آئی تھی اب تک قومی خزانے کے لیے کوئی مکان نہ تھا۔ مسجد نبوی میں رسول اللہ ﷺ کے حکم سے یہ مال ڈال دیا گیا، جسے رسول اللہ ﷺ نے اپنی صوابدید پر تقسیم کیا۔

اس تقسیم میں امیر وغریب کی خصوصیت نہ تھی حتی کہ رسول اللہ ﷺ کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو بھی اس میں سے حصہ ملا تھا۔

اور دوسری قسم کی آمدنی کے خاص مصارف ہیں، ان کے علاوہ میں تقسیم نہیں کی جاتی تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِيْنَ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ﴾ ''یہ صدقات تو دراصل فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہیں اور ان لوگوں کے لیے ہیں جو صدقات کے کام پر مامور ہوں، اور ان کے لیے جن کی تالیف قلب مطلوب ہو، نیز یہ گردنوں کے چھڑوانے اور قرض داروں کی مدد کرنے اور راہِ خدا اور مسافر نوازی میں استعمال کرنے کے لیے ہیں۔''

(التوبۃ 60:9)

عوام کی فلاح و بہبود

اسلام میں رعایا اور عوام کی فلاح و بہبود کو ہر چیز پر ترجیح دی گئی ہے۔ یہاں تک کہ حاکم وقت کو مشیروں وزیروں سے بھی زیادہ ایک عام آدمی کا خیال رکھنے کا حکم ہے۔

اب ہمارے لیے سوچنے کا مقام یہ ہے کہ جب سرکاری خزانے خالی ہوں اور دوسری طرف عوام بھی غریب ہو، عوام مہنگائی و بیروزگاری کے سیلاب میں بہہ رہی ہو تو پھر عوام کو ریلیف دینے یا خزانوں کو بھرنے کی مذموم کوششیں کرنی چاہئیں؟ یقیناً ایسے حالات میں ایک دانشمند، عوام کی فلاح و بہبود چاہنے والا نیک دل حکمران تمام وسائل اور ذرائع آمدنی کا رخ عوام کی طرف کر دے گا؟

شائقین ضیائے حدیث کے لیے

خوشخبری

پاکستان کے تمام اہل حدیث مدارس کے شیوخ الحدیث کے لیے حافظ عبدالوحید سوہدروی رحمہ اللہ کی طرف سے ضیائے حدیث کا اجرا بالکل فری۔ جن شیوخ تک رسالہ نہ پہنچے وہ دفتر سے ضرور رابطہ کریں۔

حسب ذیل احباب کے لیے
نصف زرتعاون کی پیشکش

✷ مدارس، سکول، کالج اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ کرام اور طلباء
✷ مساجد کے ائمہ کرام ✷ خطباء حضرات

مکمل ایڈریس، عہدہ اور رابطہ نمبر لکھ کر 200 روپے کا منی آرڈر ارسال کریں اور ایک سال کے لیے ''ضیائے حدیث'' سے استفادہ کریں۔

رابطہ

دفتر ماہنامہ ''ضیائے حدیث''
36 لوئر مال، لاہور

042-37240024
0300-7071823
0322-8246740
0313-7579034

نمائندہ سیالکوٹ کا تقرر

محترم مدثر اقبال صاحب (ڈسکہ) کو ضیائے حدیث کی جانب سے ضلع سیالکوٹ کا نمائندہ خصوصی مقرر کیا گیا ہے۔ قارئین رسالے کی ترسیل اور اشتہارات کے لیے جناب مدثر اقبال صاحب سے رابطہ کریں۔

رابطہ نمبر: 0301-3088494



دنیا کا مشاہدہ ہے جس ملک کی عوام اور حکمرانوں میں ہم آہنگی ہوتی ہے، حکمران اپنے سے زیادہ عوام کو عزیز رکھتے ہوں۔ ان کی ضروریات کو ترجیح دیتے ہوں تو اس ملک کی دفاعی صلاحیت بھرپور ہوا کرتی ہے اور وہ ملک ناقابل شکست طاقت بن جاتا ہے۔اور جس سلطنت کے عوام اور حکمران اپنے اپنے مفادات میں مگن ہوں، حکمرانوں کو اپنی کرسی، جماعت اور سیاسی اقتدار محبوب ہو اور غریب عوام ظالمانہ ٹیکسوں میں پس رہے ہوں اور دو وقت کی روٹی کے لیے مارے مارے پھر رہے ہوں اور پھر اپنے خون پسینے کی کمائی کے چھن جانے کے خوف میں مبتلا ہوں۔ بالآخر حکومت کا بے رحم شکنجہ ان کے بچوں کے منہ سے روٹی کا نوالہ تک چھین لے۔تو سوچیے! اس ملک و سلطنت کا کیا حال ہوگا؟

ناقابلِ شکست طاقت

یادرکھیے! ناقابل شکست طاقت بننے کے لیے خزانوں کو بھرنے سے زیادہ توجہ عوام کے دل جیتنے پر صرف کرنی چاہیے، بڑے بڑے منصوبے شروع کرنے کی بجائے ہر گھر میں پکنے والی روٹی کو سستا کیا جائے۔ جتنے وسائل ہیں عوام کو مہیا کیے جائیں پھر دیکھیں یہ عوام آپ کے اشاروں پر کس طرح آہنی دیوار بن کر ابھریں گے جنھیں دنیا کی کوئی طاقت زیر نہ کر سکے گی۔

عوام کو ریلیف دینا کیوں ضروری ہے؟

کسی ملک، سلطنت کی بقا، ترقی، ناموری کے لیے بنیادی عنصر وہاں کی رعایا ہے، جب افراد ملتے ہیں تو جماعتیں بنتی ہیں، جب جماعتیں ملتی ہیں تو حکومتیں بنتی ہیں، البتہ چلتی عوام کے تعاون سے ہیں۔

صرف مال و دولت کے بل بوتے کوئی حکمران کامیاب نہ ہوا ہے اور نہ ہوسکتا ہے۔ کامیابی اور عزت افراد کے ساتھ ہوا کرتی ہے۔جس حکمران کے ساتھ اس کی رعایا ہو، وہ دنیا کا طاقتور حکمران سمجھا جاتا ہے۔ اگرچہ اس کے خزانے خالی ہوں۔ اور جس فرماں روا کے ساتھ عوام نہ ہو وہ کمزور ترین حکمران ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کے خزانے لبالب ہوں۔ اس لیے ضروری ہے کہ عوام کا دل جیتنے کے لیے بھرپور کوشش کی جائے۔

عوام کا دل جیت لینے کا طریقہ

ایک حاکم مندرجہ ذیل امور کے ذریعے اپنی رعایا کا دل جیت سکتا ہے:

عوام کے لیے آسانیاں پیدا کرنا، انھیں مشقتوں سے بچانا، ان کی ضروریات کا خیال رکھنا، ان پر ناجائز قسم کے ٹیکس مسلط نہ کرنا، مختلف مواقع پر سرکاری خزانے سے وظائف، عطیہ، تحفہ کی صورت میں عوام کو یکساں رعایت دینا۔ حج و عمرہ، شادی بیاہ اور دیگر بڑے خرچوں میں عوام کے ساتھ تعاون کرنا وغیرہ اور سب سے بڑھ کر عوام کے ساتھ یکساں سلوک کرنا، عدل و انصاف سے کام لینا، ظالم کو ظلم سے روکنا اور مظلوم کی فریادرسی کرنا۔

عدل و انصاف کرنے کے فوائد

① جو حکمران عدل و انصاف سے کام لیتا ہے اللہ تعالیٰ عوام کے دلوں میں اس کی محبت پیدا کر دیتا ہے۔

② ایسے حکمران کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''عدل و انصاف سے کام لینے والا حاکم قیامت کے دن اللہ کے عرش کے سائے میں ہوگا۔'' (صحيح البخاري: 660)

③ امام عادل کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تین بندوں کی دعا رد نہیں کرتا ان میں ایک امام عادل ہے۔

(جامع الترمذي: 2526)

ظلم و ستم کا نتیجہ

جو حکمران عوام پر ظلم و ستم کرتے ہیں، ان کے حقوق پر ڈاکا مارتے ہیں اور ان پر ظالمانہ ٹیکس مسلط کرتے ہیں وہ اپنی دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت بھی تباہ کر لیتے ہیں۔

حدیث میں ہے: ''قیامت کے دن سب سے سخت عذاب اس حکمران کو ہوگا جو رعایا پر ظلم و ستم کرتا ہے۔'' (مسند ابي يعلىٰ: 343/2)

اس مضمون کو قلمبند کرتے وقت میرے اردگرد مکمل سناٹا اور خاموشی ہے لیکن مجھے اپنے اللہ سے قوی امید ہے کہ یہ تحریر حکمرانوں کے ایوانوں تک پہنچے گی اور ایک مثبت تبدیلی کا پیش خیمہ بنے گی۔ ان شاء اللہ

وما توفيقي إلا بالله عليه توكلت وإليه أنيب.

بیوٹی پارلر کا کاروبار حرام ہے

اس اعتبار سے بیوٹی پارلروں کے ذریعے سے عورتوں میں حسن و جمال اور آرائش و زیبائش کے جو طور طریقے سکھائے جا رہے ہیں اور عورتیں انھیں اختیار کر رہی ہیں، جیسے بالوں کے نئے نئے اسٹائل، بناؤ سنگھار کے ذریعے سے عورت کے حلیے کو بدل دینا، سیاہ فام کو سفید فام اور سفید فام کے رنگ و روغن کو مزید نکھار دینا، ابروؤں کے بالوں کو اکھیڑ کر ان میں سرمہ، روشنائی یا اور اسی قسم کی چیزیں بھرنا، یہ سب کام ممنوع اور حرام ہیں کیونکہ انھیں لعنتی کام کہا گیا ہے۔ جن کے بارے میں اتنی سخت وعید ہو، ان کے جواز کی گنجائش کہاں نکل سکتی ہے۔ اس لیے جس طرح مذکورہ کام حرام ہیں، اسی طرح بیوٹی پارلر کا کاروبار بھی حرام ہے کیونکہ ان میں مذکورہ حرام کام ہی کیے جاتے ہیں یا پھر ان میں مذکورہ چیزوں کی تربیت دی جاتی ہے۔ ایک حدیث میں ہے: «اِنَّ امْرَأَةً قَالَتْ يَارسولَ اللّٰهِ! اِنَّ لِيْ ضَرَّةً فَهَلْ عَلَيَّ جُنَاحٌ انْ تَشَبَّعْتُ مِنْ زَوْجِي غَيْرَالَّذِيْ يُعْطِينِي؟ فَقَالَ رسولُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمُتَشَبِّعُ بِمَالَمْ يُعْطَ كَلَابِسِ ثَوْبَي زُوْرٍ»

''ایک عورت نے کہا: اے اللہ کے رسول! میری ایک سوکن ہے۔ اگر میں اس کے سامنے کسی چیز کی بابت یہ ظاہر کروں کہ یہ مجھے میرے خاوند نے دی جبکہ وہ چیز اس نے مجھے نہ دی ہو تو کیا اس سے مجھ پر گناہ ہوگا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو کوئی ایسے ظاہر کرے کہ یہ چیز میری ہے یا مجھے دی گئی ہے، حالانکہ وہ اس کی نہ ہو نہ اس کو دی گئی ہو۔ اس کی مثال اس شخص کی ہے جو مکر و فریب کے دو کپڑے پہنے ہوئے ہو۔'' (صحيح البخاري: 107)



وضاحت

اس حدیث سے جہاں یہ واضح ہوتا ہے کہ ایک شخص کی دو بیویوں کو آپس میں ایک دوسرے کو جلانے کے لیے سوکنا پے میں جھوٹ بول کر یہ تأثر دینا منع ہے کہ اس کا خاوند دوسری بیوی کے مقابلے میں اس پر زیادہ مہربان ہے اور اس کو اس نے فلاں چیز لا کر دی ہے جبکہ خاوند کا کردار ایسا نا منصفانہ نہ ہو۔ اس ممانعت سے متصور کو جہاں جھوٹی شان و شوکت کے اظہار سے روکنا ہے، وہاں آپس میں فساد اور بگاڑ کا سد باب بھی ہے۔

نبی ﷺ نے اس ممانعت کو جس بلیغ طریقے اور ایک تمثیلی انداز سے بیان فرمایا ہے، اس نے ممانعت کے مفہوم میں بڑی



وسعت پیدا کردی ہے جس نے مکروفریب کی ساری صورتوں کو اور جھوٹے وقار کے سارے طور طریقوں کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا ہے۔ ہماری شادی بیاہوں میں اس جھوٹے وقار کا بھی عام مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ مثلاً کسی عورت کے پاس زیادہ زیور نہیں ہوتا تو وہ شادی میں شرکت کرنے کے لیے مانگے تانگے کا زیور پہن کر جھوٹے وقار، یعنی خلافِ واقعہ اپنی امارت کا اظہار کرتی ہے حتی کہ بعض دفعہ دلہن کو بھی مانگے تانگے کا زیور پہنا کر یہ غلط تاثر دیا جاتا ہے کہ لڑکے والوں نے دلہن کے لیے اتنا زیور تیار کیا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہوتا اور دو تین دن کے بعد وہ زیور دلہن سے لے کر اصل مالکوں کو دے دیا جاتا ہے۔ یہ جھوٹی کارروائی بھی فساد اور بگاڑ کا سبب بنتی ہے۔

اور اب تو سونے کے بجائے آرٹیفشل زیورات نکل آئے ہیں جو دیکھنے میں بالکل سونے کے معلوم ہوتے ہیں اور ان کی مالیت چند سینکڑے ہی ہوتی ہے جبکہ سونے کے اصل زیورات کی مالیت اب لاکھوں میں ہوتی ہے۔ دھوکہ دہی کی یہ صورت بھی اب اختیار کی جانے لگی ہے۔ بعد میں جب حقیقتِ حال سامنے آتی ہے تو یہ ملمع سازی بھی فساد ہی کا باعث بنتی ہے۔اس حدیثِ رسول ﷺ کی رو سے ملمع سازی اور فریب کاری کی یہ ساری صورتیں ممنوع قرار پاتی ہیں، مانگے تانگے کا زیور پہن کر یا پہنا کر جھوٹی شان وشوکت کا اظہار یا آرٹیفشل کے زیورات کا استعمال یہ باور کرا کر کہ یہ سونے ہی کے زیورات ہیں، یہ سب ناجائز وممنوع ہیں اور فساد و بگاڑ کا باعث ہیں۔

دکھلاوے اور نمود ونمائش کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے؟

مکروفریب کی یہ ضرورت کیوں پیش آتی ہے؟ اس لیے کہ شادیوں میں دیگر بہت سی خرافات کے ساتھ ساتھ سونے کے زیورات کو بھی ایک لازمی حصہ بنا دیا گیا ہے جبکہ ہماری شریعت میں ان رسومات، فضول خرچی، ناروا بوجھ اور نمود ونمائش کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ اس کا حل بھی اس کے سوا کوئی نہیں ہے کہ شادی کے اخراجات سے سونے کے زیورات کو بھی یکسر خارج قرار دیا جائے۔

⑨ سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَا تَرَكْتُ بَعْدِي فِتْنَةً أَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ» ''میں نے اپنے بعد ایسا کوئی فتنہ نہیں چھوڑا جو عورتوں سے زیادہ مردوں کے لیے نقصان دہ ہو۔''

(صحيح البخاري:5096)

وضاحت

یعنی مردوں کے لیے سب سے بڑا فتنہ عورتوں کا فتنہ ہوگا جو میرے بعد رونما ہوگا۔ حالانکہ عورت کا وجود انسان کے لیے راحت و آسائش اور امن وسکون کا باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَ مِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾ ''اور (یہ بھی) اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمھارے لیے تمھاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو، اور اس نے تمھارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کردی، بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے عظیم نشانیاں ہیں جو غور وفکر کرتے ہیں۔'' (الروم 21:30)

علاوہ ازیں عورت کا وجود مرد کے لیے ناگزیر اور انسانی زندگی کے دو پہیوں میں ایک پہیہ ہے۔ اس کے باوجود اس کو مرد کے لیے سب سے زیادہ خطرناک فتنہ کیوں قرار دیا گیا ہے؟ اس کی وجہ مرد کی یہ کمزوری ہے کہ قوامیت (گھر کی سربراہی، حاکمیت اور نگرانی) کا مقام اللہ تعالیٰ نے مرد کو عطا کیا ہے لیکن ایک تو اس نے عورت کو دینی تعلیم وتربیت سے آراستہ نہیں کیا۔ دوسرا، گھر میں اپنی قوامیت و حاکمیت عورت کے سپرد کر کے خود محکومیت کا درجہ اپنے لیے پسند کر لیا، بالخصوص شادی بیاہ کے معاملات اور رسوم و رواج کی پابندی، فیشن پرستی اور اسراف و تبذیر کے مظاہر میں۔ ان تمام معاملات میں مردوں نے بے بسی بلکہ پسپائی اختیار کر لی ہے اور اپنے تمام مردانہ اختیارات عورت کو دے دیے ہیں۔ شادی بیاہ میں وہی ہوگا جو شریعت سے بے پروا عورت کہے گی اور کرے گی۔ مرد کا کام غلام بے دام کی طرح صرف اس کے حکم کی بجا آوری ہے، حتی کہ عورت کی خواہشات اور مطالبات پورے کرنے کے لیے اس کے پاس اگر وسائل بھی نہیں ہیں تو وہ رشوت لے گا، لوٹ کھسوٹ کرے گا، آمدنی کے دیگر حرام ذرائع اختیار کرے گا، قرض لے گا، حتی کہ سودی قرض لینے سے بھی گریز نہیں کرے گا، پھر ساری عمر قرض



کے بوجھ تلے کراہتا رہے گا۔

علاوہ ازیں عورت اگر کہے گی تو بننے والے داماد کو سونے کی انگوٹھی پہنا کر اپنی بھی اور اس کی بھی آخرت کی بربادی کا سامان کیا جائے گا، عورت کہے گی تو پورا ہفتہ ڈھولکی وغیرہ کے ذریعے سے اہل محلّہ کی نیندیں خراب کی جائیں گی، عورت کہے گی تو مہندی کی رسم میں نوجوان بچیاں سرِعام ناچیں گی۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ دیگر رسموں کا معاملہ ہے۔ ظاہر بات ہے مرد کی اس پسپائی اور بے بسی میں اس کے لیے دنیا کی بربادی کا بھی سامان ہے اور آخرت کی ذلت و رسوائی بھی اس کا مقدر ہے۔ کیا ایک مسلمان کہلانے والے مرد کے لیے اس سے بھی بڑا فتنہ کوئی اور ہوسکتا ہے؟ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَه کا یہی وہ فتنہ ہے جس کا اظہار زبان رسالت مآب ﷺ سے ہوا تھا۔

دین دار عورت دین داروں کے لیے فتنہ نہیں ہے

عورت کا یہ فتنہ انھی لوگوں کے لیے ہے یا ان ہی کے حق میں فتنہ ہے جنھوں نے اپنی مردانگی (قوامیت) سے دست بردار ہو کر اپنی باگ ڈور زمام کار عورت کے ہاتھ میں دے دی۔ لیکن جو لوگ اپنی قوامیت کو برقرار رکھتے ہیں اور عورت کو کسی بھی مرحلے پر شریعت کے دائرے سے نہیں نکلنے دیتے بلکہ اس کو پابند شریعت بنا کر رکھتے ہیں تو یہ عورت ان کے لیے کسی بھی مرحلے پر فتنہ ثابت نہیں ہوتی بلکہ ان کی خیر خواہ، معاون اور ہر اچھے کاموں میں ان کا دست و بازو اور سراپۂ خیر اور رحمت ہوتی ہے۔ نبی ﷺ نے بھی ایسی نیک عورت کو دنیا کی بہترین متاع قرار دیا ہے۔ فرمایا: «اَلدُّنْيَا مَتَاعٌ وَخَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ» ''دنیا ایک پونجی ہے اور دنیا کی سب سے بہتر پونجی نیک عورت (بیوی) ہے۔'' (صحیح مسلم: 1469)

ایک دوسری حدیث میں نیک عورت کی خصلتیں بیان فرمائی ہیں۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں: «سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: أَيُّ النِّسَاءِ خَيْرٌ؟ قَالَ: الَّتِي تَسُرُّهُ إِذَا نَظَرَ وَتُطِيعُهُ إِذَا أَمَرَ، وَلَا تُخَالِفُهُ فِيمَا يَكْرَهُ فِي نَفْسِهَا وَمَالِهِ» ''رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا: کون سی عورت بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ عورت (بیوی) سب سے بہتر ہے جب خاوند اس کی طرف دیکھے تو وہ خوش کن نظر سے اسے دیکھے۔ جب خاوند اسے کسی بات کا حکم دے، تو اسے بجا لائے۔ اور وہ عورت اپنے نفس اور خاوند کے مال میں اس کی خواہش کے برعکس ایسا رویہ اختیار نہ کرے جو اس کے خاوند کو ناپسند ہو۔'' (سنن النسائي: 3233)

قرآن مجید میں بھی نیک عورتوں کے لیے قانتات کا لفظ استعمال ہوا ہے: ''نیک عورتیں قانتات ہیں۔'' (النسآء 34:4)

قانتات کا مطلب ہے، فرماں بردار، اللہ کی بھی اور خاوند کی بھی۔ اس وضاحت سے مقصود یہ ہے کہ نبی ﷺ نے عورت کو مردوں کے لیے جو نہایت خطرناک فتنہ قرار دیا ہے جس کے شواہد آج ہم دیکھ رہے ہیں یہ وہ عورتیں ہیں جو شرعی حدود و قیود سے آزاد ہیں اور ان کے مرد بھی اپنی غلامانہ ذہنیت اور خود بھی دین سے دور ہونے کی وجہ سے ان عورتوں کو روکنے ٹوکنے اور ان کو راہ راست پر رکھنے کی ہمت نہیں رکھتے۔ لیکن جن مردوں کی عورتیں دین دار اور دین کی پابند ہیں، اور وہ دینی اقدار اور روایات کی بالادستی میں اپنے خاوندوں کی مددگار ہوتی ہیں، وہ فتنہ نہیں ہیں، وہ سراپا خیر و برکت ہیں۔ اسی لیے ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ شادی کرتے وقت دیگر دنیاوی ترجیحات کے مقابلے میں دین دار عورت کا انتخاب کرو۔ تاکہ وہ زندگی کے ہر موڑ پر اور ہر معاملے میں شریعت کے احکام کو بروئے کار لانے میں مرد کا ساتھ دے، اس کی مخالفت اور اپنی من مانی نہ کرے۔

الغرض! شادی بیاہوں کی مذکورہ رسومات اور ان کی حشر سامانیوں سے بچنے کے لیے نہایت ضروری ہے کہ دین سے ہماری وابستگی برائے نام نہ ہو بلکہ حقیقی ہو اور ہماری خواتین بھی دینی اقدار و روایات کی پابند اور اس کا صحیح نمونہ ہوں جس کا مظاہرہ شادی بیاہ کی تقریبات میں واضح طور پر ہو۔

وہ شادی کی تقریب اپنے ہی کسی بچے یا بچی کی ہو یا خاندان کے کسی اور گھرانے کی، دیکھنے والے دیکھیں کہ یہ شادی واقعی کسی دین دار خاندان کی ہے یا اس میں شریک ہونے والی خواتین واقعی دین دار، پردے کی پابند، شریعت کی پاسدار اور سادگی کا پیکر ہیں۔ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ.



کیا امریکہ شام پر حملہ کرے گا؟

نہیں، تو کیوں نہیں؟ کرے گا تو کیوں؟

تجزیہ نگار ابو ولید ملک سے خصوصی انٹرویو

محمد ارسلان حجازی

ضیائے حدیث کیا آپ توقع کرتے ہیں کہ امریکا شام پر حملہ کرے گا؟

ابو ولید ملک میری رائے کے مطابق امریکہ اس وقت تک حملہ نہیں کرے گا ① جب تک اس کو شامی حزب اختلاف کی مکمل حمایت اور خاص کر عسکری گروپوں کی جانب سے صہیونی ریاست کے تحفظ کے حوالے سے غیر مشروط ضمانت نہیں مل جاتی۔ ② جب تک امریکا و روس کے درمیان Give and Take پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہو جاتا۔ ③ اور جب تک اسلام پسند اس پوزیشن میں نہیں آجاتے کہ وہ شام کی قسمت کا فیصلہ تبدیل کر سکیں اور صہیونی ریاست کو براہ راست چیلنج کر سکیں۔

ضیائے حدیث بالفرض اگر امریکا حملہ کرتا ہے تو اس کی ترجیحات کیا ہوں گی؟

ابو ولید ملک اس کی اصل ترجیحات شام کے کیمیائی ہتھیار و اسلحہ ساز فیکٹریاں ہوں گی کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ علاقے میں اس مفاداتی و صہیونی جنگ میں کہیں یہ اسلحہ ناجائز صہیونی ریاست کے خلاف استعمال نہ ہو جائے۔ دوسرا ہدف شام میں اسلام پسند اور اہل سلف کی عسکری تنظیم ''النصرۃ محاذ'' کے ٹھکانے و معسکرات ہیں جن کی بڑھتی ہوئی یلغاروں سے روس، بشار حکومت، امریکا اور صہیونی خاصے خوف زدہ ہیں۔ النصرہ محاذ شام کے شمالی علاقوں کے اکثر حصوں پر قابض ہو چکا ہے۔ یہ علاقے تیل کی دولت سے بھی مالا مال ہیں۔ ایک صہیونی پروفیسر Elie Podeh جو کہ Hebrew University Of Jerusalem For Middle East Studies کا ایکسپرٹ ہے۔ وہ لکھتا ہے، شام میں سیکولر حکومت اسرائیل کے ساتھ امن و سلامتی کے ساتھ رہ رہی ہے اور اسرائیل سمیت امریکا کو بھی علم ہے کہ اگر شام میں اسلامی جنگجو برسر اقتدار آ گئے تو اسرائیل کے لیے ایک نیا دردسر کھڑا ہو جائے گا جو اسرائیل کی سلامتی کے لیے مستقل خطرہ بنا رہے گا۔ امریکا کے شام میں اصل اہداف یہی ہیں۔ اسی سے آپ امریکا کی شامی مسلمانوں کے حوالے سے پالیسی کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ کس حد تک اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ مخلص ہے کیونکہ شام میں مرنے والے کوئی اور نہیں صرف اور صرف مسلمان ہیں۔ ان سے



امریکا، اس کے حلیفوں اور ناجائز صہیونی ریاست کو کوئی غرض نہیں، الغرض! الکفر ملة واحدة.

ضیائے حدیث کیا بات ہے کہ امریکا شام کی موجودہ بدترین صورت حال کے باوجود بشار کے خلاف کھل کر انتہائی قدم اٹھانے سے دامن بچا رہا ہے؟

ابوولید ملک پہلی بات تو یہ ہے کہ شام میں کبھی بھی امریکا یا اسرائیل کا ہدف موجودہ بشار حکومت نہیں رہی اور نہ ہی انھوں نے کبھی اس کا اظہار کیا ہے۔ کیونکہ امریکا نے جب سے حملے کی بات کی ہے اس وقت سے لے کر اب تک امریکا اور اس کے حلیفوں نے بشار حکومت کی تبدیلی کی بات نہیں کی۔ اس کی تصدیق تو وائٹ ہاؤس کے ترجمان جے کارنی نے 28 اگست کو ہی کر دی تھی کہ ہم شام پر حملہ تو کرنا چاہتے ہیں لیکن ہمارے حملے کا مقصد بشار حکومت کی تبدیلی نہیں۔ تقریباً یہی الفاظ 3 ستمبر کو امریکی چیف آف آرمی سٹاف جنرل ڈمپسی نے بھی دہرائے۔ اسی طرح امریکا اور روس کے درمیان ہونے والے شامی کیمیائی ہتھیاروں کے حوالے سے سمجھوتے نے بھی ان کے چھپے ہوئے مکروہ عزائم کو طشت از بام کر دیا ہے۔ اس میں بشار حکومت کی برطرفی کا بالکل ذکر نہیں کیا گیا اور نہ ہی اس کا اعادہ کیا گیا کہ اگر بشار مقرر کی گئی مدت کے اندر اندر ہتھیار تلف یا حوالے نہیں کرتا تو اس کو کیا سزا دی جائے گی۔ دوسری جانب شام کی اپوزیشن جماعتوں کے اکثر سربراہوں اور جیش الحر کے بہت سے بریگیڈز نے امریکی ڈکٹیشن قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ شام کی ہر گلی و محلے میں ایک ہی نعرہ گونج رہا ہے ''الاسلام، الاسلام'' اور اوپر سے یورپ سے آنے والے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد جہاد کے جذبے سے سرشار ہے۔ ان تمام محرکات نے مل کر اِن ممالک اور خاص کر صہیونی ریاست کے لیے مشکلات کھڑی کر دی ہیں۔ اس وقت صہیونی ریاست کے تحفظ کے لیے شام میں بشار سے بڑھ کر کوئی اور نہیں ہے۔ اس پیچیدہ صورت حال نے امریکا کو فی الحال بشار کے خلاف کسی بھی انتہائی قدم اٹھانے سے روکا ہوا ہے۔ اب شام کی صورتِ حال افغانستان کی طرح بنتی جا رہی ہے جس کے تین بڑے اسٹیک ہولڈر ہوں گے: ① شامی حکومت اور اس کے اتحادی روس و ایران اور حزب اللہ وغیرہ۔ ② امریکا، یورپی یونین اور اس کے اتحادی جنگجو گروپس۔ ③ حقیقی اسلام پسند گروپس، میری رائے میں یہی اسلام پسند مہدی علیہ السلام کے مددگار ہوں گے۔

ضیائے حدیث لیکن بشار حکومت اور اس کے ہم مسلک بار بار کہہ رہے ہیں کہ ان کی جنگ تو امریکا اور اسرائیل کے خلاف ہے؟

ابوولید ملک میں نے شروع میں ایک بات کہی تھی کہ مذہبی تعصب سے بالاتر ہو کر کھلے دل سے حقائق کی روشنی میں بات کرنا ہو گی۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اس مزاحمتی عوامی تحریک کے دوران ناجائز صہیونی ریاست اسرائیل نے شام کی اسلحہ ساز فیکٹریوں اور میزائلوں کے ڈپوؤں پر کم و بیش 3 سے زائد مرتبہ فضائی حملہ کیا ہے۔ لیکن کتنی حیرت کی بات ہے کہ شام پر اس کے ایٹمی اثاثوں پر تو تین حملے ہوتے ہیں، اور ان حملوں میں شام کی ایلیٹ فورسز کے 100 سے زائد اہلکار بھی مارے جاتے ہیں لیکن نہ ہی شام کی حکومت اور نہ ہی حزب اللہ ناجائز صہیونی ریاست (اسرائیل) کے خلاف کوئی ایکشن لیتی ہیں اور نہ ہی اس سلسلے میں UNO کا کوئی ہنگامی اجلاس طلب کیا جاتا ہے۔ جبکہ دوسری جانب پوری دنیا میں یہ ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے کہ اُن کی جنگ دراصل امریکا اور اسرائیل کے خلاف ہے۔ دراصل بشار اور حزب اللہ کی یہ ساری کی ساری جنگ شام میں نُصیری شیعی حکومت کو قائم رکھنے کے لیے اور علاقائی مفادات کے حصول کے لیے ہے، جس کا شکار نہتے، بے گناہ اور معصوم شہری بن رہے ہیں ورنہ کائنات کا کوئی بھی حکمران اس مہذب دور میں اپنے ہی نہتے عوام پر ظلم و تشدد کی انتہا نہیں کر سکتا.....، اگر بشار کہتا ہے کہ اس کی یہ جنگ امریکا و اسرائیل کے خلاف ہے تو شام میں نہ تو اسرائیلی بیٹھے ہوئے ہیں اور نہ ہی امریکی فورسز۔ اگر بشار نے استعماریت کے خلاف لڑنا ہے تو وہ اردن کا رخ کریں جہاں شام پر حملہ کرنے کے لیے امریکن اسپیشل فورسز آئی ہوئی ہیں۔ کیا بشار اور حسن نصر اللہ کو دنیا کی سب سے بڑی دہشت گرد صہیونی ناجائز ریاست (اسرائیل) کے فلسطینیوں پر ڈھائے گے مظالم نظر نہیں آ رہے ہیں؟ ورکنگ گروپ برائے فلسطینی پناہ گزین کا



کہنا ہے کہ اب تک اس شامی تنازع میں بشار فورسز کے حملوں سے 1267 فلسطینی شہید ہو چکے ہیں۔شام میں ایک لاکھ سے زائد شامی مسلمان شہید کیے گئے ہیں اور بیس لاکھ سے زائد ہجرت کر چکے ہیں۔ شام میں ہزاروں عصمت مآب مسلم خواتین کی عزت کو تار تار کیا گیا۔ دس لاکھ سے زائد مسلم بچے یتیم اور بے سہارا ہوگئے۔ مسلمان قیدی خواتین کو قید کے دوران بالکل برہنہ حالت میں قیدی مردوں کے ساتھ رکھا گیا، یہ شرمناک کام بشار کی علوی فورسز نے کیا۔ کیا اب بھی یہ ساری جنگ اسرائیل یا امریکا کے خلاف ہے؟ خدارا کچھ تو سچ بولیں۔

ضیائے حدیث پھر شام کے ارد گرد دنیا کے خطرناک و مہلک بحری بیڑے اور اتنی زیادہ فورسز اکٹھی کرنے کا کیا مقصد تھا؟ ذرا تفصیل سے بتائیں؟

ابوولید ملک بڑے افسوس اور دکھ کے ساتھ عرض کر رہا ہوں کہ جو کام مسلمانوں اور ان کے حکمرانوں کے کرنے کے تھے اب وہ اسلام کے سب سے بڑے دشمن اور رحمۃ للعالمین حضرت محمد ﷺ کے قتل کرنے کی سازشیں کرنے والے ''صہیونی'' کر رہے ہیں۔شام کا محاصرہ تو ایک بہانہ ہے ، دراصل یہ آنے والے وقت میں مہدی علیہ السلام کے لشکروں اور مدد گاروں کو روکنے کی پیش بندی کی جارہی ہے ۔ اور یہ سب کچھ اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں کیونکہ یہ شام ہی کی سرزمین ہے جہاں بہ یک وقت دنیائے یہود کا خاتمہ اور اہل کفار کا مغلوب ہونا، اور ہندوؤں کا اپنے مہا گروؤں سمیت اسلام کی غلامی میں آنا تو دوسری جانب مہدی علیہ السلام کی خلافت کا قائم ہونا ہے ، یعنی شام کی سرزمین سے چار کام ہونے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پیش بندی کے طور پر شام کے ارد گرد چھ امریکی بحری بیڑے تو دوسری جانب روس کے بھی دو بحری بیڑے آ چکے ہیں۔ اس کے علاوہ شام کے ارد گرد فرانس اور برطانیہ کی فوجیں بھی اپنی اپنی ائیر فورس کے ساتھ ڈیرہ جمائے بیٹھی ہیں۔آخر یہ سب کیا ہے کہ ایک چھوٹے سے ملک کو گھیرنے کے لیے دنیا کی اتنی بڑی فورس، کچھ تو ہے جس کی پردہ داری کی جا رہی ہے۔ شام کی یہ جنگ آنے والے وقت میں بہت سی جنگوں کا باعث بنے گی۔افسوس تو اس بات کا ہے کہ عالم اسلام کے جید علماء اس حقیقت کو نہیں پہچان رہے۔ دراصل یہ اسی پالیسی کا ایک حصہ ہے جس کا اظہار 2005ء میں CIA کے ایک افسر نے ان الفاظ میں کیا تھا کہ ہم نے مسلمان ملکوں اور مشرق وسطی کا نقشہ تبدیل کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے جس میں شام سرفہرست تھا۔جس کی تازہ مثال سوڈان کی تقسیم ہے اور اس سے قبل یہ سامراجی مالی کو بھی جارحیت کا نشانہ بنا کر شمالی افریقہ پر اپنا تسلط مضبوط کرنے کا پیغام دے چکے ہیں۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ امریکا کو روس کے ساتھ معاملہ کرنے کے بعد ہی حملہ کرنا ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ امریکہ اپنے بیانات کی روشنی میں اپنی فوجیں زمین میں نہیں اتارے گا لیکن وہ اس بہانے صہیونی ریاست کے تحفظ کے بہانے جولان کی پہاڑیوں پر اپنی فوجیں ضرور اتارے گا، جس سے صہیونی ریاست کو مزید حوصلہ اور تحفظ حاصل ہوگا۔

ضیائے حدیث کیا آپ حقائق کی نظر میں بتانا پسند کریں گے کہ بشار کی حکومت اس وقت کتنی مضبوط ہے؟

ابوولید ملک حقیقت تو یہ ہے کہ روس ، ایران اور عراق جو پچھلے کئی ماہ سے بشار حکومت کی مالی، عسکری اور اخلاقی امداد کر رہے ہیں، اگر یہ سب ممالک امداد سے ہاتھ روک لیں تو بشار ایک دن بھی حکومت نہیں کر سکتا اور اب وہ صرف اپنے آقاؤں کی بیساکھیوں کے سہارے پر قائم ہے۔

ضیائے حدیث ایران سعودیہ پر بار بار الزام لگا رہا ہے کہ وہ شام میں باغیوں کی مدد کر کے وہاں خانہ جنگی کو ہوا دے رہا ہے۔ آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

ابوولید ملک دیکھیے جی ہمیں ہر بات کو مذہبی تعصب سے بالاتر ہو کر حقائق کی نظر سے دیکھنا چاہیے۔سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ سعودیہ تو اس مزاحمتی عوامی تحریک کے کئی ماہ بعد اردن و لبنان میں شامی پناہ گزینوں کی ناگفتہ حالت زار کو دیکھ کر ان کی مدد کے لیے آیا۔ یہ ایک فطری بات تھی کہ کسی مسلمان کو دیکھ کر دوسرا مسلمان تڑپ اٹھتا ہے اور سعودیہ کی تو تاریخ ہے کہ دنیا میں کسی بھی جگہ مسلمان تکلیف میں ہوں وہ ہمیشہ سب سے پہلے پہنچتا ہے۔ اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے ایثار کی یہ ایک بہترین مثال ہے۔ دنیا میں کوئی بھی دوسرا مسلمان ملک



سعودیہ کی اس منفرد اسلامی و انسانی ہمدردی اور مالی امداد کی ہمسری نہیں کر سکتا۔ جبکہ ایران شروع دن سے ہی بشار حکومت کو مالی و عسکری امداد بڑھ چڑھ کر دے رہا ہے تاکہ شامی عوام کے جائز حقوق کے مطالبے کو دبایا جا سکے۔ آپ حیران ہوں گے کہ 16 جون کو برطانوی اخبار INDEPENDENT نے ایرانی ذرائع کے حوالے سے انکشاف کیا ہے کہ ایرانی صدارتی انتخابات سے ایک روز قبل بشار کی مدد کے لیے 4000 اہلکار بھیجنے کے لیے منظوری دی گئی جس کی آج تک ایران یا شام کی طرف سے کبھی تردید نہیں آئی۔ ادھر شام میں سعودیہ کا کوئی بھی اس قسم کا فرقہ وارانہ کردار سامنے نہیں آیا۔ یہی وجہ ہے کہ یار دوستوں کو سعودیہ حکومت کی بے یار و مددگار شامی پناہ گزینوں کی مالی و اخلاقی امداد ایک آنکھ نہیں بھا رہی ہے۔

ضیائے حدیث آپ عسکری نقطۂ نظر سے سعودیہ اور ایران کا موازنہ کیسے کرتے ہیں؟

ابوولید ملک میں سمجھتا ہوں کہ اس سلسلے میں سعودیہ حکومت سے ایک عسکری ٹیکنیکل سستی ہوئی ہے وہ یہ کہ ایران نے حزب اللہ، حرکت العمل، البدر، لشکر مہدی اور المختار فورسز کے علاوہ اور بھی بہت سی چھوٹی موٹی عسکری تنظیمیں بنا کر ان کو ایران اور ولایت شیعہ کے دفاع کے لیے ایک فرنٹ لائن کا کردار سونپ دیا ہے، اس کا مطلب ہے کہ ایران کے دشمنوں کو ایران تک پہنچنے کے لیے پہلے ان تمام تنظیموں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اور یہی ایران کی کامیاب سٹرٹیجی ہے۔

ضیائے حدیث آپ کیا سمجھتے ہیں کہ سعودیہ یا خلیجی ممالک کو بھی کچھ ایسا ہی کرنا چاہیے؟

ابوولید ملک میری رائے میں خطے کے بدلتے ہوئے حالات اور بحرین جیسے چھوٹے ملک میں بڑھتی ہوئی غیر ملکی مداخلت کے پیش نظر خلیجی ممالک اور خاص کر سعودیہ کو ایک Regular Force کے علاوہ ایسی تنظیمیں تشکیل دینی چاہئیں، کیونکہ آنے والے حالات میں ایسی منظمات کی اشد ضرورت ہوگی۔ ورنہ یہ تمام ممالک اپنی سلامتی اور استحکام کو بہت نقصان پہنچا بیٹھیں گے۔

ضیائے حدیث کیا اس سے ایک مذہبی ٹکراؤ پیدا نہیں ہوگا؟

ابوولید ملک جی نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ اب تک ان ممالک کی اپنی کوئی قابل عمل یا خاطر خواہ Regular Force نہیں۔ اس کی مثال کویت ہے جب عراق نے محض تین گھنٹوں کے اندر اندر کویت پر قبضہ کر لیا تھا۔ یہ ممالک علاقے میں کسی کو اپنا حریف نہیں سمجھتے لیکن میری رائے میں اب ان کو اپنے اور اپنی عوام کے تحفظ کے لیے یہ سب کچھ کرنا پڑے گا۔

ضیائے حدیث کیا یہ صحیح ہے کہ حزب اللہ براہِ راست شام میں عسکری مداخلت کر رہی ہے؟

ابوولید ملک بالکل، یہ ہم نہیں کہہ رہے بلکہ اس کی تصدیق خود حزب اللہ کے سربراہ حسن نصر اللہ نے 30 اپریل 2012ء کو اپنے براڈ کاسٹ ویڈیو پیغام میں پہلی بار مداخلت کا علانیہ اعتراف کیا ہے اور برملا کہا ہے کہ ان کے جنگجو بشار فورسز کے شانہ بشانہ لڑ رہے ہیں۔ انھوں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا کہ یہ جنگ بہت طویل ہوگی اور اگر بشار کی حکومت ختم بھی ہوگئی تو ہم زیرِ زمین یہ جنگ جاری رکھیں گے۔ انھوں نے جیش الحر FSA کو چیلنج کرتے ہوئے کہا کہ وہ عسکری طریقے سے شامی حکومت کو کبھی نہیں گرا سکتے۔ شامی حزب اختلاف نے حسن نصر اللہ کی تقریر کو خطے کو جنگ کی آگ میں جھونکنے کے مترادف قرار دیا۔ ''شام میں حزب اللہ کی کھل کر مداخلت نے اسلامی تاریخ کو آج پھر ایک نئے موڑ پر کھڑا کر دیا ہے۔'' یعنی کتنی حیرت کی بات ہے کہ بشار اور اس کے حلیف یہ کہتے ہوئے نہیں تھکتے کہ ان کی جنگ امریکا کے خلاف ہے لیکن خون وہ مسلمانوں ہی کا بہا رہے ہیں۔

ضیائے حدیث شام میں حزب اللہ نے جو کردار ادا کیا ہے علاقے کے اہل سنت اس کو کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

ابوولید ملک اس میں کوئی دو رائے نہیں ہے کہ شام میں حزب اللہ کے بے گناہ مسلمانوں کے قتل عام میں ملوث ہونے کے بعد اس نے اپنے آپ کو ایک تشدد پسند فرقہ واریت کی جماعت کی حیثیت سے دنیائے اسلام میں متعارف کرایا ہے جس کی وجہ سے علاقے کے اہل سنت اب حزب اللہ پر اعتبار کرنے کے لیے بالکل تیار نہیں۔ یہی وجہ ہے عالم اسلام کے بہت بڑے جید عالم و جامعۃ الازہر کے الشیخ ڈاکٹر احمد الطیب یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ القدس کا راستہ حمص والقصیر سے ہو کر نہیں گزرتا تو دوسری جانب لبنان کے علمائے دین برملا یہ



کہنے لگے کہ اب حزب اللہ کے ہتھیار اسرائیل کے بجائے لبنان و شام میں مسلمانوں کے خلاف استعمال ہو رہے ہیں۔

ضیائے حدیث کیا ان کے اس کردار پر حزب اللہ کے اندر سے بھی کوئی تنقید ہوئی ہے؟

ابو ولید ملک جی ہاں، اس میں کوئی شک نہیں کہ حزب اللہ کے سابق جنرل سیکرٹری الشیخ صبحی الطفیلی نے ایک مقامی TV کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ حزب اللہ کے جو ارکان شام میں بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کا قتلِ عام کر رہے ہیں، دہشت زدہ کر رہے ہیں اور املاک کو تباہ و برباد کر رہے ہیں۔ وہ شہید نہیں ہوں گے بلکہ جہنم میں جائیں گے۔ حزب اللہ شام میں اہلِ تشیع کی مدد نہیں بلکہ گڑ بڑ کا موجب بن رہی ہے اور وہ بشار اور اس کی حکومت کے جرائم کا تحفظ کر رہے ہیں، حالانکہ وہاں اہلِ تشیع اور اُن کے مقدس مقامات کو کوئی خطرہ نہیں تھا بلکہ اہلِ سنت خود مقدس مقامات کی زیارت کو اپنے لیے باعث برکت سمجھتے تھے۔

ضیائے حدیث شام کے حوالے سے ایران اتنا جذباتی کیوں ہے؟

ابو ولید ملک شام جغرافیائی مسلکی حوالے سے ایران کے لیے بہت اہمیت رکھتا ہے۔ ایران کے لیے لبنان جہاں پر حزب اللہ و حرکت العمل اور عراق میں لشکر مہدی و المختار نامی جیسی شیعہ تنظیمیں ہیں جو ایران کے دفاع کے لیے فرنٹ لائن کی حیثیت رکھتی ہیں جن پر ایران کی تیل کی آمدنی کا ایک کثیر حصہ خرچ ہوتا ہے۔ تو دوسری جانب ایران کے لیے لبنان (حزب اللہ) تک زمینی راستہ عراق اور شام سے ہو کر گزرتا ہے جس کی وجہ سے شام کی اہمیت ایران کے لیے مزید دوچند ہو جاتی ہے۔ شام کی مزاحمتی عوامی پرامن تحریک صرف جمہوریت کے احیاء کے لیے اٹھی، اس سے قبل شام، لبنان اور عراق میں اہلِ شیعہ اور اہلِ سنت کے درمیان انتہائی درجہ کا بھائی چارہ تھا۔ اور تو اور فلسطینی جہادی تنظیم حماس کے حزب اللہ اور شام کی علوی حکومت کے ساتھ انتہائی قریبی روابط اور تعاون جاری تھا۔ جبکہ غزہ کے بعد حماس کا دوسرا بڑا سیاسی دفتر بھی دمشق میں واقع تھا۔ لیکن ایران کی سیاسی غلطیوں اور مذہبی جذباتیت نے اس خطے میں اور خاص کر شام میں ایک ٹکراؤ کی صورتِ حال پیدا کر دی ہے، جس سے شاید ایران کا اب اس دلدل سے باہر نکلنا ناممکن ہو گیا ہے۔ اور حالات کو نارمل کرنے کے لیے اُس کو ایک بڑی قیمت چکانی پڑے گی۔ اور اس کے امکانات زیادہ ہیں کہ صہیونی اسرائیل ایران کی اس کمزوری سے ضرور فائدہ اٹھائے گا۔ درحقیقت ایران کی شام میں براہِ راست فوجی مداخلت نے شام اور خطے کی سلامتی کو شدید خطرات میں ڈال دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عرب اور مغربی مبصرین بار بار یہ کہہ رہے ہیں کہ بہت جلد یہ خطہ فرقہ وارانہ جنگ میں تبدیل ہو جائے گا۔ موجودہ صورتِ حال میں اس کی سب سے بڑی دلیل عراق اور لبنان میں اہلِ سنت اور اہلِ شیعہ کے مابین ہونے والی جھڑپیں اور بم دھماکوں

شیوخ الحدیث صاحبان کے لیے عمرہ کی پیشکش

حافظ عبدالوحید سوہدروی حفظہ اللہ کی طرف سے مدارس اہل حدیث کے ان شیوخ الحدیث (بخاری شریف پڑھانے والوں) کے لیے نصف زرتعاون کی پیش کش ہے جو ابھی تک زیارتِ حرمین نہیں کر سکے۔

اپنے مکمل کوائف مع رابطہ نمبر سے تحریری طور پر ایڈیٹر کو آگاہ کریں تا کہ آپ کے لیے 2014ء کی پہلی سہ ماہی میں عمرے کا انتظام کیا جا سکے۔

اس کی غرض یہ ہے کہ شیوخ الحدیث حضرات اپنے طلباء کو حدیث رسول ﷺ علی وجہ البصیرت پڑھا سکیں۔

رابطہ: ایڈیٹر ماہنامہ ضیائے حدیث 36 لوئر مال، دارالسلام، لاہور



کی کارروائیاں ہیں۔

حقیقت میں ایران ولایت شیعہ کے چکر میں شامی حکومت کی مدد میں تمام اخلاقی وشرعی حدود پھلانگ چکا ہے۔ ایرانی کی شامی علوی حکمرانوں کی پہلے دن سے ہی کھل کر امداد نے اس خطے میں فرقہ واریت کو ایک دہکتے ہوئے دوزخ کے کنارے پر پہنچا دیا ہے جس میں ایران کو امریکی حمایت پوری طرح حاصل تھی کیونکہ ایران امریکا کی مرضی کے بغیر ایک تنکا بھی عراق کی سرزمین یا فضاؤں میں سے گزار کر علوی حکمرانوں تک نہیں پہنچا سکتا تھا۔ اسی طرح ایرانی افواج اور حکومت کے ذریعے دنیا بھر سے بھرتی کیے گئے شیعہ رضا کاروں کو شام تک پہنچایا گیا۔ درحقیقت شام میں مسلط کی گئی جنگ عالم اسلام کے خلاف ایک بین الاقوامی صہیونی مکروہ سازش ہے جس کو عقل وفہم سے عاری مسلم حکمران طبقہ سمجھنے سے قاصر ہے۔

ضیائے حدیث آپ شام کے حوالے سے روس کے کردار کو کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

ابوولید ملک اس سلسلے میں روس کا کردار انتہائی شرمناک ہے۔ روسی جنگی جہاز شام کی بندرگاہ طرطوس میں ایک معاہدہ کے تحت موجود ہیں۔ اور اِسی آڑ میں روسی اسلحہ شام میں دھڑا دھڑ جا رہا ہے جو شامی بے گناہ مسلمانوں کے خلاف انتہائی وحشیانہ طریقے سے استعمال ہو رہا ہے۔ 12 جون 2012ء کو روس نے اعلان کیا تھا کہ وہ شامی حکومت کو ہر صورت میں اسلحہ کی ترسیل جاری رکھے گا اور شام میں کسی بھی صورت میں شیعہ نظام کی بجائے سنی نظامِ حکومت کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ روس کی اس دھمکی کے پیچھے اپنے علاقائی مفادات کے ساتھ ساتھ افغانستان کی اُس شکست کا بدلہ بھی لینا ہے، جس میں روس کی شکست میں عرب مجاہدین کا ایک بہت بڑا کردار تھا۔ یوں شیعہ نظامِ حکومت کی بات کر کے خطے میں سنی شیعہ فسادات کی آگ بھڑکانا مقصود ہے۔ اسی طرح جب علوی فورسز اور اس کے حلیفوں کو حمص کے علاقوں میں سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا تو انھوں نے سخت اشتعال میں آکر محصور نہتے شہریوں پر کیمیائی مواد استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ روس ابھی تک شام کے سیاسی حل میں مسلسل رکاوٹیں ڈال رہا ہے، حالانکہ وہاں ایک لاکھ سے زائد بے گناہ مسلمان طاغوتی طاقتوں کی شیطانی خواہشات اور بشار کی ہوس اقتدار کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں۔ دوسری طرف جیش الحر .F.S.A اور خاص کر اسلامی جنگجوؤں کے بڑھتے ہوئے منظم حملے بھی ماسکو، واشنگٹن اور تل ابیب کے لیے پریشانی کا باعث بن رہے ہیں۔ دراصل روس اور امریکہ بے گناہ شامی مسلمانوں کی قیمت پر معاملے کو حل کرانے میں متحد ہیں۔

ضیائے حدیث ایک ذاتی قسم کا سوال ہے کہ کیا آپ شام پر حملے کے حق میں ہیں؟

ابوولید ملک جی نہیں، سچی بات تو یہ ہے میں کیا دنیا کا کوئی بھی مسلمان حتیٰ کہ سعودی عرب بھی شام پر اس حملے کے حق میں نہیں ہے۔ ہمارا تو بس ایک ہی مؤقف ومطالبہ ہے کہ خدارا شام کے ان بے کس و بے سہارا مسلمانوں کی زندگیوں، عزتوں اور املاک کو صہیونیوں اور ان کے گماشتوں کے شکنجہ استبداد سے بچایا جائے۔ اور سلامتی و امن کے ساتھ شامی مہاجرین کی واپسی کا بندوبست کیا جائے۔ اور ہم اس جائز و اخلاقی مطالبے سے کبھی پیچھے نہیں ہٹیں گے۔

ضیائے حدیث فی الحال شام کے مسئلے کا کیا حل ہے اور یہ کس کے پاس ہے؟

ابوولید ملک دراصل اس میں بہت سی استعماری قوتیں ملوث ہیں جن کے اپنے اپنے مادی علاقائی و مذہبی مفادات ہیں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اگر ایران صرف اور صرف اسلام اور مسلمانوں کی بقاء کے لیے تھوڑی سی قربانی دے تو شام میں ہمیشہ کے لیے امن ہو سکتا ہے اور بڑی طاقتوں اور صہیونیوں کو شام میں مداخلت کا موقع بھی نہیں ملے گا۔ ایران کو صرف بشار اور اس کی کابینہ کو تبدیل کرنا ہوگا اور ایک ایسی حکومت کی تشکیل کے لیے مدد دینا ہوگی جو شامی عوام کی صحیح نمائندگی کرتی ہو جس میں تمام فریق بشمول اہل سنت، علوی نصیری، دروز قبائل، کرد اور عیسائی پوری آزادی کے ساتھ امن وچین کے ساتھ رہ سکیں۔ لیکن میرا نہیں خیال کہ ایران کی مذہبی قیادت اس کے لیے مان جائے گی۔ اگر وہ ایسا کرتی ہے تو ایران کا عالم اسلام کے اندر ایک اعتماد بھی بحال ہوگا اور دوسری جانب ایران عالم اسلام کے حوالے سے بین الاقوامی سطح پر ایک مثبت کردار ادا کرنے کی پوزیشن میں بھی آجائے گا۔

❁❁❁❁

محسن فارانی









آذربائیجان

کوہِ قاف کا خوبصورت ملک جہاں اسلام خلافتِ فاروقی میں پہنچا تھا

آذربائیجان مغربی ایشیا کا ایک اسلامی ملک ہے۔ اس کے شمال میں داغستان (روس)، جنوب میں ایران، مشرق میں بحیرۂ کیسپین اور مغرب میں جارجیا اور آرمینیا واقع ہیں۔ شمال میں داغستان اور آذربائیجان کے درمیان کوہ قاف کبیر کا پہاڑی سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔

آذربائیجان ایک نظر میں

نام: جمہوریہ آذربائیجان (آذربائیجان ری پبلیکا سی)

رقبہ: 86600 مربع کلومیٹر

آبادی: تقریباً 94 لاکھ

دارالحکومت: باکو (آبادی 21 لاکھ)

طرزِ حکومت: وحدانی صدارتی نظام

سرکاری زبان: آذربائیجانی (ترکی)

دیگر زبانیں: ارمنی، روسی

سکّہ: منات (Manat)، امریکی ڈالر: 0.79 منات (2011ء)

فی کس آمدنی: 10900 ڈالر

صدرِ مملکت: الہام علی

وزیراعظم: ارطور رسی زادہ

ٹریفک: دائیں طرف

شرح خواندگی: 99.5 فیصد

آذربائیجان سے آذربائیجان تک

آذربائیجان مختلف زمانوں میں ایران کا حصہ رہا ہے۔ اب بھی جنوبی آذربائیجان ایران میں شامل ہے اور اس کے دو صوبے آذربائیجان خاوری (مشرقی) اور آذربائیجان باختری (مغربی) کہلاتے ہیں۔ فارسی میں ''آذر'' کے معنی ہیں ''آگ'' اور ''بائیجان'' اصل میں پائیگان (محافظین) تھا۔ یوں آذرپائیگان کا مطلب تھا ''آگ کے محافظ'' یعنی آتش پرستوں کے پروہت۔ اسے آذرآبادگان یا آذربادگان بھی کہا جاتا تھا۔ پھر بتدریج اس علاقے ہی کے لیے یہ نام استعمال ہونے لگا اور عرب مسلمان اسے فتح کرنے کے بعد آذربائیجان یا اُذربیجان کہنے لگے۔ آذر ایرانی مہینے کا نام بھی ہے جو مارچ میں پڑتا ہے۔ یاد رہے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آزر تھا۔

آذربائیجان عہدِ قدیم میں

آذربائیجان میں پتھر کے دور کی انسانی آبادی (10000 ق م) کے آثار ملتے ہیں۔ یہ آثار تاغلر اور گوبستان کے غاروں میں اور لیلیٰ تپہ اور سرائے تپہ کے قدیم قبرستانوں میں پائے جاتے ہیں۔ نویں صدی ق م میں یہاں سیتھین قوم آباد ہوئی۔ ان کے بعد مادی (Medes) آئے۔ سلطنت ماد (Medea) جنوبی آذربائیجان سے لے کر وسطی ایران تک پھیلی ہوئی تھی۔ 550 ق م میں یہاں ہخامنشی سلطنت کا دور دورہ ہوا جب کوروش کبیر (سائرس اعظم یا ذوالقرنین) نے اسے فتح کیا۔ چوتھی صدی ق م میں سکندر اعظم کے ہمراہ یونانی یہاں آئے۔ تب یہ علاقہ البان یا قفقازی البانیہ کہلاتا تھا۔ چوتھی اور تیسری صدی ق م میں یہاں مجوسیت یا آتش پرستی کو فروغ ملا۔



ساسانی سلطنت اور آذربائیجان

252ء میں قفقازی البانیہ (آذربائیجان) ایران کی ساسانی سلطنت کی باجگزار ریاست بن گیا۔ چوتھی صدی عیسوی میں شاہِ البان ارنیر (Urnayr) نے عیسائیت قبول کرکے اسے سرکاری مذہب قراردیا۔ ساسانی اور رومی سلطنتوں کے غلبے کے باوجود نویں صدی عیسوی تک قفقازی البانیہ کا الگ وجود برقرار رہا۔ ساسانی بادشاہ نوشیروان (79-531ء) نے نخجیوان شہر آباد کیا۔

کوہ قاف: پریوں کا دیس

بحیرۂ اسود اور بحیرۂ کیسپین کے درمیان واقع کوہ قاف (Caucasus) کا پہاڑی علاقہ قفقاز یا کاکیشیا (Caucasia) کہلاتا ہے جو افسانوی جنوں اور پریوں کے لیے مشہور ہے۔ شاید یہاں کے لوگوں کی جفاکشی اور عورتوں کی خوبصورتی کے باعث اسے یہ شہرت ملی۔ کوہستان قفقاز کبیر شمالی آذربائیجان میں اور جارجیا، روسی مقبوضہ داغستان، چیچنیا، انگوشیتا وغیرہ کی حدود پر واقع ہے جبکہ قفقاز صغیر شمال مغربی آذربائیجان اور جارجیا میں بحیرۂ اسود تک پھیلا ہوا ہے۔

کوہ قاف کا پہاڑی سلسلہ یورپ کو ایشیا سے جدا کرتا ہے۔ اس کے شمال میں براعظم یورپ کا ملک روس ہے اور جنوب میں براعظم ایشیا کے ملک آذربائیجان اور جارجیا ہیں۔

آذربائیجان میں اسلام کی آمد

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں سیدنا حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے نخجیوان (مغربی آذربائیجان) کا علاقہ فتح کیا۔ دوسری طرف سیدنا سلمان بن ربیعہ باہلی رضی اللہ عنہ نے اران اور شروان کے علاقے فتح کرلیے۔ اران دریائے کور اور دریائے اراس کے درمیان موجودہ مغربی آذربائیجان (بشمول نگورنو قرہ باغ) اور مشرق آرمینیا پر مشتمل تھا۔ سپہ سالار سلمان باہلی رضی اللہ عنہ نے شروان میں خاقانِ خزر کے ساتھ جنگ میں شہادت پائی۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں 667ء میں البان (البانیہ) کے مسیحی حکمران جواں شیر نے بغاوت کی جو کچل دی گئی اور ریاست البان خلافت کی باجگزار بن گئی۔

شیروان شاہوں کی حکمرانی

247ھ/861ء میں آذربائیجان کے عرب حاکم ہیثم بن خالد شیبانی نے خودمختاری کا اعلان کرکے شیروان شاہ کا لقب اختیار کرلیا۔ 332ھ/943ء میں ایران شاہ ساسانی یہاں کا شیروان شاہ بنا۔ اس کی حکمرانی خراسان اور ایران تک وسیع تھی۔ شیبانی 460ء تک یہاں حکمران رہے۔

آذربائیجان سلجوقی دور میں

گیارھویں صدی عیسوی کے شروع میں وسطی ایشیا سے اوغوز ترک آذربائیجان میں آکر آباد ہونے لگے۔ پھر یہاں سلجوقی ترک چھاگئے۔ سلجوقی دور میں آذربائیجان میں اسلام کو خوب فروغ حاصل ہوا۔ اسی زمانے میں یہاں فارسی کے شعراء نظامی گنجوی (1140ء تا 1203ء) اور خاقانی شروانی (1126ء تا 1198ء) نے شہرت پائی جن کا تعلق گنجہ اور شروان (شیروان) سے تھا۔ خاقان کبیر شیروان شاہ منوچہر دوم کی نسبت ہی سے خاقانی نے یہ تخلص اختیار کیا تھا۔

تیموری، عثمانی اور صفوی ادوار

1386ء میں ابراہیم شیروان شاہ امیر تیمور کا باجگزار بن گیا۔ تیمور کی وفات کے بعد وہ خود مختار ہوگیا، پھر یہاں قرہ قویونلو اور آق قویونلو غالب آئے۔ 1538ء میں آذربائیجان ایران کی صفوی سلطنت کا حصہ بن گیا۔ صفوی دور میں یہاں کے بیشتر باشندے شیعہ عقائد کے پیروکار بن گئے۔ 1578ء میں شیروان (آذربائیجان) پر عثمانی ترکوں نے قبضہ کرلیا۔ صفویوں کے بعد یہاں نادر شاہ (47-1736ء)، زند خاندان (1750ء تا 1795ء) اور قاچار بادشاہوں کی حکومت رہی۔

آذربائیجان روسی تسلط میں

1813ء میں روسیوں نے آذربائیجان کی نخجیوان خانیت، قرہ باغ خانیت اور لنکران خانیت (خانیت بمعنی ریاست) پر قبضہ کرلیا۔ نومبر 1917ء میں روس میں کمونسٹ انقلاب آیا تو آذربائیجان، آرمینیا اور جارجیا پر مشتمل ماورائے قفقاز وفاقی جمہوریہ وجود میں آئی مگر مئی 1918ء میں ''حامیان استقلال ملی'' نے آزاد جمہوریہ آذربائیجان کے قیام کا اعلان کردیا۔ یہ عالم اسلام کی پہلی پارلیمانی جمہوریہ تھی جو 23 ماہ قائم رہی۔ مارچ 1920ء میں



سوویت روس نے جمہوریہ آذربائیجان پر قبضہ کرلیا اور 20 ہزار آذربائیجانی روسی فوجوں سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ اکتوبر 1921ء میں آزاد جمہوریہ **نخچیوان** (Naxicivan) آذربائیجان سوویت سوشلسٹ ری پبلک (ASSR) کا خودمختار حصہ قرار پائی۔ اس نام نہاد جمہوریہ (ری پبلک) میں آرمینیا اور جارجیا بھی شامل تھے۔ دسمبر 1936ء میں آذربائیجان، آرمینیا اور جارجیا کی الگ الگ تین جمہوریاؤں کو اتحاد جماہیر اشتراکیۂ شوروی (USSR) یعنی سوویت روس میں شامل کرلیا گیا۔

آذربائیجان آزادی کی شاہراہ پر

روسیوں نے دیگر ترکستانی ریاستوں کی طرح اہل آذربائیجان پر بھی ظلم کے پہاڑ توڑے۔ ان کے اسلامی ناموں کے آخر میں اوف (OV) اور اوفا (OVA) لگانے کی سخت پابندی عائد کردی گئی۔ آذری (ترکی) پر روسی رسم الخط مسلط کردیا گیا۔ 1990ء میں سوویت روس کی گرفت کمزور ہوئی تو آذربائیجانی عوام آزادی کے لیے سرگرم ہوئے۔ ''سیاہ جنوری'' میں روسی فوج نے آذربائیجان کے دارالحکومت باکو میں حریت پسندوں کا قتل عام کیا۔ 18 اکتوبر 1991ء کو آذربائیجان کی سپریم کونسل نے آزادی کا اعلان کردیا۔ 26 دسمبر 1991ء کو سوویت یونین کے ٹوٹنے پر آذربائیجان کی آزادی تسلیم کرلی گئی۔

نگورنو قرہ باغ کا جھگڑا

نگورنو قرہ باغ (Nagorno Karabach) کا علاقہ مغربی آذربائیجان کے اندر گھرا ہوا ہے۔ یہاں ارمنی عیسائیوں کی اکثریت ہے۔ 1988ء میں نگورنو قرہ باغ میں خونریز مسیحی مسلم فسادات ہوئے تھے۔ حصول آزادی کے بعد 1992ء میں قرہ باغ کے عیسائیوں نے آرمینیا کی مدد سے جنگ چھیڑدی اور ارمنیوں نے 1994ء کے آخر تک نگورنو قرہ باغ سمیت آذربائیجان کے 16 فیصد علاقے پر قبضہ کرلیا۔ اس خانہ جنگی میں 30 ہزار افراد مارے گئے اور دس لاکھ سے زائد بے گھر ہوئے۔ مئی 1994ء میں روسی ثالثی سے جنگ بندی عمل میں آئی مگر امن مذاکرات نتیجہ خیز نہیں رہے۔ اس جنگ کے نتیجے میں ڈھائی لاکھ ارمنی اور آٹھ لاکھ آذری بے گھر ہوگئے۔

آذربائیجان میں انقلابات

1993ء میں آذربائیجان کے پہلے منتخب جمہوری صدر ابوالفیض ایلچی بے کا کرنل صورت حسین نے تختہ الٹ دیا اور سوویت دور کے لیڈر حیدر علیوف برسرِ اقتدار آگئے۔ وزیراعظم صورت حسین نے اگلے سال صدر حیدر علی کا تختہ الٹنے کی ناکام کوشش کی۔ 1995ء میں روشن جواد انقلاب برپا کرنے کی کوشش میں مارا گیا۔ اکتوبر 2003ء میں حیدر علی کی وفات پر ان کے بیٹے الہام علی برسرِ اقتدار آگئے۔

جغرافیائی حالات

بحیرۂ کیسپین (بحیرۂ قزوین یا بحیرۂ خزر) کا 456 کلومیٹر لمبا ساحل آذربائیجان کی مشرقی سرحد بناتا ہے۔ آذربائیجان میں تین پہاڑی سلسلے ہیں: قفقاز کبیر، قفقاز صغیر اور کوہستان طالش۔ ملک کی بلند ترین پہاڑی چوٹی بازار دوزو 4466 میٹر اونچی ہے جبکہ بحیرہ کیسپین کی سطح عالمی سمندر سے 28 میٹر نیچے ہے۔ دریائے کور اور دریائے اراس دو بڑے دریا ہیں جو آذربائیجان کے وسط میں باہم ملتے ہیں اور ان کا مشترکہ دھارا بحیرۂ کیسپین میں جاگرتا ہے۔ ملک کا نصف سے زیادہ علاقہ پہاڑی یا سطح مرتفع ہے۔ باقی زمین میدانی اور نشیبی ہے۔ دریائی وادیاں زرخیز ہیں۔ سب سے بڑی جھیل ساری صو 67 مربع کلومیٹر پر محیط ہے۔

آذربائیجان دوسری جنگ عظیم میں

دوسری جنگ عظیم (45-1939ء) میں اہل آذربائیجان نے روس کی کامیابی کے لیے نمایاں کردار ادا کیا۔ 1941ء میں نازی جرمن افواج کے سوویت روس پر حملے کے بعد اگلے چار برسوں میں آذربائیجان کی آبادی کا پانچواں حصہ روسی افواج کے شانہ بشانہ جرمنوں سے لڑتا رہا۔ ایک لاکھ خواتین سمیت 681000 آذربائیجانی محاذِ جنگ پر گئے جبکہ اس وقت یہاں کی کل آبادی 34 لاکھ تھی۔ اڑھائی لاکھ آذربائیجانی محاذِ جنگ پر مارے گئے۔ اس کے علاوہ باکو (آذربائیجان) کے تیل کے چشموں نے بھی روسیوں کو جنگ جیتنے میں مدد دی۔ آذربائیجانی میجر جنرل ارسلان کو دومرتبہ ''ہیرو آف دی سوویت یونین'' کا اعزاز دیا گیا۔

آذربائیجان میں تیل کی دولت

ملک کے قدرتی وسائل میں تیل، گیس، لوہا

اور باکسائٹ (ایلومینیم کا مرکب) شامل ہیں۔ خام تیل کے ذخائر 7 ارب بیرل ہیں۔ آزادی کے بعد آذری چراغ گنیشلی آئل فیلڈ اور شاہ دنیز گیس فیلڈ سے تیل اور گیس کی پیداوار نے ملکی معیشت کو بہت ترقی دی ہے۔ باکو تبلسی سیحان پائپ لائن سے آذربائیجان کا تیل یورپ کو برآمد کیا جاتا ہے۔ یاد رہے تبلسی (سابق طفلس) جارجیا کا دارالحکومت ہے اور سیحان بحیرۂ روم کے ساحل پر ترکی کی بندرگاہ ہے۔

زرعی پیداوار اور گلہ بانی

آذربائیجان کی 22.7 فیصد زمین قابل کاشت ہے۔ اہم فصلیں کپاس، گندم، مکئی، چاول اور انگور ہیں۔ بھیڑ بکریوں کے ریوڑ بھی پالے جاتے ہیں۔ بکریوں کی تعداد 2 کروڑ 15 لاکھ ہے جبکہ بھیڑیں سوا دس ہزار کے قریب ہیں۔

آذربائیجان کے مذاہب

آذربائیجان کی 93 فیصد آبادی مسلمان ہے۔ روسی آرتھوڈکس عیسائیت کے پیروکار 3 فیصد ہیں جبکہ ارمنی آرتھوڈکس بھی 3 فیصد ہیں۔ یہاں کا قدیم مذہب زرتشتیت (آتش پرستی) تھا۔ دارالحکومت باکو میں آتش پرست مجوسیوں (پارسیوں) کا آتش کدہ آج بھی موجود ہے۔

قرہ باغ کا گھوڑا

''قرہ باغ گھوڑا'' آذربائیجان کا قومی جانور ہے۔ یہ اپنے مزاج، تیز رفتاری، شان اور ذہانت کے لیے مشہور ہے۔ قدیم ترین نسل کا یہ جانور اب مٹ جانے کے خطرے سے

ام المؤمنین سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی یاد میں

مولانا حکیم محمد ادریس فاروقی رحمہ اللہ

''اسلام کے عظیم فروغ وارتقاء اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ فتح وظفر کو دیکھ کر جناب ختمی رسالت علیہ الثناء والتحیۃ اپنی محبوب اور اطاعت گزار بیوی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو بھول نہیں گئے۔ جیسا کہ عام لوگوں کا قاعدہ ہے کہ کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد کاروبار زندگی میں کچھ ایسے مصروف ہوجاتے ہیں کہ اپنے فوت شدہ عزیزوں اور تعلق داروں کو ایسا فراموش کردیتے ہیں کہ بھولے سے کبھی ان کا نام نہیں لیتے۔ نہیں، نبی کریم ﷺ نے خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کو کبھی نہیں بھلایا۔ ان کے احسانوں، ان کی نیکیوں، ان کی فداکاریوں، ان کی جاں نثاریوں، ہمدردیوں، غم خواریوں، فرمانبرداریوں، قربانیوں، غرض کسی بات، کسی عادت، کسی فضیلت، کسی وصف اور کسی صفت کو فراموش نہیں کیا۔

نبی کریم ﷺ نے سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا۔ لیکن سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے بعد آپ نے ایک نہ دو، پورے دس نکاح کیے۔ جو نفسانی خواہشات کے لیے نہیں، بلکہ مصالح ملکی وقومی، مشیت الٰہی اور حکمت الٰہی کے ماتحت کیے۔ لیکن دس بیویوں کی موجودگی میں، جن میں بعض بیویاں جوان بھی تھیں، نبی کریم ﷺ نے سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کو ایک لحہ کے لیے بھی فراموش نہیں کیا۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن رشک و رقابت کی وجہ سے بعض دفعہ کہہ اٹھتی تھیں: ''آپ ﷺ کی زبان پر ہر وقت خدیجہ خدیجہ رہتا ہے، حالانکہ وہ ایک کمزور اور بوڑھی عورت تھی۔'' لیکن نبی کریم ﷺ آبدیدہ ہوکر فرماتے:

''خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مرتبہ کو کوئی عورت نہیں پہنچ سکتی۔ وہ بے انتہا خوبیوں کی مالک اور تمام عورتوں سے افضل اور بہتر تھیں۔'' (صحيح البخاري: 3818، ومسند أحمد: 117/6)

اللہ اکبر! اس عظیم پیغمبر علیہ السلام نے اپنی امت کو کیسے عظیم سبق دیے ہیں اور اپنے اسوۂ حسنہ سے مسلمان مردوں اور عورتوں کو بہترین ازدواجی تعلقات قائم رکھنے، ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے، دین کی خاطر مال وزر کی قربانی دینے اور تبلیغ واشاعت میں ہمہ وقت مصروف رہنے کی ایسی تلقین فرمائی ہے کہ اگر مسلمان بھائی اور مسلمان بہنیں رسول اللہ ﷺ اور سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے نقش قدم پر چلیں تو ان کی زندگیاں بہشت بریں کا نمونہ بن سکتی ہیں۔ اور وہ دنیا اور آخرت میں عروس کامرانی سے ہمکنار ہوسکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے مبارک طریقے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین) (اقتباس از سیرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا، ص: 124)



دوچار ہے۔قرہ باغ گھوڑا گھڑ دوڑ کے لیے پالا جاتا ہے۔

آذربائیجان کا اُردو آباد

آذربائیجان کا شہر ''اردوباد'' (اردو آباد) ملک کا گرم ترین مقام ہے جہاں زیادہ سے زیادہ درجہ حرارت 46 سنٹی گریڈ ریکارڈ کیا گیا ہے جبکہ ملک کا سرد ترین مقام قفقاز کبیر میں ہے جہاں درجہ حرارت منفی 33 سنٹی گریڈ تک گرا ہے۔ یاد رہے ''اردو'' کے معنی لشکر یا چھاؤنی ہیں۔

دریاؤں کا ملک

آذربائیجان میں چھوٹے بڑے 8350 دریا بہتے ہیں لیکن صرف 24 دریا ایسے ہیں جن کی لمبائی 100 کلومیٹر سے زیادہ ہے۔ سارے دریا بحیرۂ کیسپین میں گرتے ہیں۔ دو بڑے دریا ارس یا اراس (Arases r Aras) اور کُورا یا کُور (Kur) ہیں۔ جارجیا سے آنے والا کورا دریائے اراس کا معاون ہے جبکہ اراس ترکی کے پہاڑوں سے نکل کر آرمینیا، ایران اور آذربائیجان کی سرحدوں کے ساتھ بہتا ہوا آذربائیجان میں داخل ہوتا ہے۔

آذربائیجان کی سیاسی تقسیم

آذربائیجان درج ذیل اقتصادی علاقوں (صوبوں) میں منقسم ہے:

① ابشرون ② داغلگ شروان ③ گنجہ گزخ ④ گباخاچماز ⑤ کلبجار لاچن ⑥ لنکران ⑦ نخچیوان ⑧ ارّان ⑨ شکی ذقاطلہ ⑩ یوخاری قرہ باغ۔ ''مختار ری پبلیکا نخچیوان'' آذربائیجان کے اندر خود مختار جمہوریہ ہے۔ اس کی اپنی پارلیمنٹ اور منتخب حکومت ہے۔ ملک 66 رائیون (Rayons) یا حلقوں میں منقسم ہے۔

آذربائیجان کے مشہور شہر

باکو: ملکی دارالحکومت باکو بحیرۂ کیسپین کے ساحل پر جزیرہ نما ابشرون میں واقع ہے۔ آبادی تقریباً 21 لاکھ ہے۔ یہاں تیل کے کارخانے ہیں، نیز یہ ملک کا صنعتی، ثقافتی اور علمی مرکز ہے۔ زرعی مصنوعات اور مچھلی یہاں سے برآمد کی جاتی ہے۔ باکو صوبہ ابشرون کا دارالحکومت بھی ہے۔

گنجہ: یہ صوبہ گزخ کا دارالحکومت ہے۔ اس کی آبادی تقریباً سوا تین لاکھ ہے۔ روسیوں نے اس کا نام یلزبتھ پول رکھ دیا تھا۔ کمونسٹ روس کے آمر مطلق سٹالن کے عہد میں 1935ء میں اسے کیروف آباد کا نام دیا گیا جبکہ 1990ء میں اصل نام گنجہ (Ganca) بحال کردیا گیا۔ فارسی کے پانچ منظوم قصوں ''پنج گنج'' (خمسہ نظامی) کے مصنف نظامی گنجوی یہیں کے رہنے والے تھے۔

سمقایت: یہ جزیرہ نما ابشرون میں ساحلی صنعتی شہر ہے۔ آبادی تقریباً سوا تین لاکھ ہے۔ دیگر اہم شہروں میں لنکران (83 ہزار)، شروان (78 ہزار)، نخچیوان (75 ہزار)، جلیل آباد، شماخی (شماخہ) اور فضولی شامل ہیں۔

آذربائیجان کے کھانے اور مشروب

سلاد: اہل آذربائیجان پودینہ، دھنیا، سبز پیاز، اجوائن خراسانی، نازبو اور طرخون (Garragon) ہر کھانے کے ساتھ بطور سلاد شوق سے کھاتے ہیں۔

زعفرانی پلاؤ: یہ آذربائیجان میں سب سے مقبول خوراک ہے۔

یار پاک دولماشی: یہ آذربائیجان کی روایتی قومی خوراک ہے جو بحیرۂ کیسپین کی مچھلی، چھوٹے اور بڑے گوشت اور سبزیوں سے تیار کی جاتی ہے۔

سیاہ چائے: یہ آذربائیجان کا قومی مشروب ہے۔

آذربائیجانی زبان

آذربائیجانی یا آذری اوغوز ترکی زبان کی ایک شاخ ہے جو آذربائیجان اور ایرانی آذربائیجان میں بولی جاتی ہے۔ 1929ء تک یہ زبان عربی فارسی رسم الخط میں لکھی جاتی تھی حتی کہ روسیوں نے اسے لاطینی رسم الخط میں بدل دیا۔ اس دوران میں ترکی میں لاطینی رسم الخط رائج ہوا تو 1939ء میں آذری پر روسی رسم الخط مسلط کردیا گیا۔ آزادی کے بعد آذری زبان کا رسم الخط دوبارہ لاطینی بنادیا گیا ہے۔

آذری زبان کے شعراء میں جہان شاہ جیبی قرہ قریونلو، صوفی شاعر حروفی، شاہ اسماعیل اول صفوی خطائی نامور ہوئے۔ قرہ باغ خانیت کے آخری حکمران کی بیٹی خورشید بانو ناتوان معروف غزل گو تھی۔

❁❁❁❁



سخنِ گسترانہ

خالد سیال

پاکستان کے ”معذور“ حکمران وافسران

پاکستان کے اکثر صدور، وزرائے اعظم، آرمی چیف، جرنیل، وفاقی وصوبائی وزراء اعلیٰ عدالتوں کے جج، سرکاری اداروں کے سربراہان، وفاقی وصوبائی سیکریٹریز، سول اور فوجی بیورو کریسی کے اعلیٰ افسران حتیٰ کہ گریڈ بیس اور اس سے اوپر کے افسران الاماشاء اللہ سب معذور لوگ ہیں اور ان معذور قائدین، سیاستدانوں اور افسران کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ یہ لوگ پاکستان کو کیسے چلا رہے ہیں۔

قارئین کرام! آپ بھی حیران ہو رہے ہوں گے کہ کیا واقعی یہ اعلیٰ حکمران، افسران اور انصاف کی کرسیوں پر بیٹھنے والے خواتین و حضرات معذور ہیں۔ یہ لوگ جب اپنے گھر سے اپنی بیوی کے سامنے سر جھکا کر دفتر کے لیے دروازے سے باہر نکلتے ہیں تو فوراً ان کی گردن تن جاتی ہے، وہ گاڑی کا دروازہ خود نہیں کھول سکتے، ان کا ڈرائیور یا کوئی خادم آگے بڑھ کر گاڑی کا دروازہ کھولتا ہے، صاحب خود دروازہ بند بھی نہیں کر سکتے، ڈرائیور دروازہ بند کر کے بھاگ کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتا ہے، گاڑی چلا کر دفتر پہنچتا ہے، گاڑی کو بریک لگاتا ہے اور بھاگ کر دوسری طرف جاتا ہے، گاڑی کا دروازہ کھولتا ہے اور یہ معذور صاحب بڑی مشکل سے باہر تشریف لاتے ہیں، ان کا بس چلے تو گاڑی سے باہر نکلنے کے لیے بھی دو چار افراد کو حکم دیں کہ انھیں گاڑی سے اُٹھا کر باہر نکالا جائے مگر اس میں جسم کے کچھ پارٹس (Parts) ادھر ادھر ہو جانے کا خدشہ ہوتا ہے اور جسم کے سپیئر پارٹس اوّل تو ملتے نہیں اور مل بھی جائیں تو ہمیشہ مسائل پیدا کرتے رہتے ہیں۔ اللہ کرے کوئی ایسی مشین یا تکنیک ایجاد ہو جائے کہ جونہی گاڑی کا دروازہ کھلے وہ صاحب کو گاڑی سے باہر پٹخ دے کہ خود باہر نکلتے ہوئے بے چارے کو مشقت نہ اٹھانی پڑے اور اس کی انرجی ضائع اور انا مجروح نہ ہو۔ بہرحال صاحب گاڑی سے باہر تشریف لاتے ہیں، ایک خادم ان کا بریف کیس اٹھا کر پیچھے پیچھے چلتا ہے، دوسرا خادم بھاگ کر لفٹ کا بٹن دباتا ہے۔ صاحب اتنے معذور ہیں کہ نہ اپنا موبائل فون اٹھا سکتے ہیں، نہ لفٹ کا بٹن دبا سکتے ہیں، نہ بجلی کا بلب آن (on) کر سکتے ہیں، نہ سامنے رکھے ہوئے گلاس میں پانی ڈال سکتے ہیں، نہ اپنی میز پر پڑی فائل کا ورق پلٹ سکتے ہیں۔

عوام الناس کا خون نچوڑ کر حاصل کی گئی لگژری گاڑی سے نکل کر جب یہ صاحب بڑے کروفر اور طمطراق کے ساتھ جدید ترین اور مہنگے ترین فرنیچر سے آراستہ کمرے میں داخل ہوتے ہیں تو نائب قاصد قسم کا ایک شخص اس معذور صاحب کا دروازہ کھولنے کے لیے کھڑا ہوتا ہے، اس کی ڈیوٹی میں یہ شامل ہے کہ وہ دس گیارہ بجے آنے والے صاحب یا صاحبہ کے لیے آٹھ بجے ایئر کنڈیشنڈ چلا کر کمرے کو خوب ٹھنڈا کر دے اور تمام بتیوں کو چلا کر رکھے کہ معذور یا مغرور صاحب کی انگلی بٹن پر لگے گی تو اس کی شان میں کمی واقع ہو جائے گی۔ اس کا رعب اور دبدبہ نہیں رہے گا۔ اس کے آنے والے مہمان گرامی اس کے مرتبہ ومقام میں شک کرنے لگیں گے۔ قوم کے درد میں ڈوبے ہوئے یہ صاحب کرسی پر بیٹھتے ہی اپنے سیکرٹری کو اپنے دوست احباب، رشتے داروں اور گپ شپ گروپ سے فون ملانے کا حکم دیتے ہیں، پھر دوست احباب آنا شروع ہو جاتے ہیں، سرکاری خرچ اور غریب عوام کے



ٹیکسوں کی رقم سے سینڈوچ، بسکٹ اور وغیرہ وغیرہ کے ہمراہ چائے، کافی اور قہوے کے دور چلتے ہیں۔ سیاسی اور غیر سیاسی بحث ہوتی ہے، ہنسی مذاق چلتا ہے، دوسروں کے کیڑے تلاش کر کے اپنا نامہ اعمال خراب اور دوسروں کے گناہ کم کیے جاتے ہیں۔ اور پھر ''صاحب'' کسی کلب، کسی ہوٹل، کسی دعوت، کسی تقریب، کسی فنکشن میں لنچ کے لیے نکل جاتے ہیں اور انرجی کے بحران کے باوجود ان کے دفتر کے ایئرکنڈیشنڈ، پنکھے اور لائٹیں مسلسل چلتی رہتی ہیں، ان کا عملہ یہ جرأت نہیں کر پاتا کہ انھیں آف (off) کر دے کہ صاحب کہیں بھول کر واپس بھی آسکتے ہیں۔ دفتر میں اپنی موجودگی کے دوران ان معذور صاحبان کو اگر کسی سرکاری فائل پر دستخط کرنا پڑ جائیں تو وہ انتہائی ناگواری کے عالم میں قلم ہاتھ میں پکڑتے ہیں، پی اے ورق الٹتا جاتا ہے اور صاحب دستخط کر کے فائل زمین پر پھینک دیتا ہے۔

یہاں مجھے چند سال پہلے کی دو تصاویر یاد آرہی ہیں۔ تب ہمارے سابق وزیراعظم شوکت عزیز وفاقی وزیر تھے، وہ سرکاری دورے پر افغانستان گئے۔ کابل ایئرپورٹ سے باہر نکلتے ہوئے کسی اخبار کے کیمرہ مین نے ان کی تصویر محفوظ کر لی۔ ہمارے وفاقی وزیر کا بریف کیس اور موبائل ایک سرکاری افسر اٹھائے ہوئے تھا، ایک اہلکار ٹرالی میں ان کے سوٹ کیس لاد کر باہر نکل رہا تھا اور وزیر صاحب خالی ہاتھ چہل قدمی کرتے ہوئے تشریف لا رہے تھے۔ اتفاق سے اسی روز، اسی وقت، اسی ایئرپورٹ سے ایک امریکی وزیر بھی باہر نکل رہے تھے، اس کی تصویر بھی اسی کیمرہ مین نے بنائی، امریکی وزیر نے بائیں ہاتھ میں بریف کیس پکڑا تھا، چند فائلیں بغل میں دبائی تھیں اور دائیں ہاتھ سے اپنے سامان کی ٹرالی کھینچ کر ایئرپورٹ سے نکل رہا تھا۔ حکمرانوں کی سوچ، مزاج اور طرزِ عمل کے اسی فرق نے آج مسلمانوں کو پستیوں کی طرف دھکیل دیا ہے اور وہ قومیں ہم پر حکمرانی کر رہی ہیں جنھیں محکوم بن کر رہنا تھا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے حکمرانوں اور افسران میں کچھ ایسے خواتین وحضرات بھی ہیں جو اس طرح کے تمام امراض سے پاک ہیں، جو پوری ایمانداری سے کام کرتے ہیں، جو ایک ایک پائی کو قوم کی امانت سمجھتے ہیں، جو اپنے ہاتھ سے کام کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے، جو اپنے نائب قاصد کو بھی Bell دے کر نہیں بلاتے بلکہ خود کرسی سے اُٹھ کر اس کے پاس چلے جاتے ہیں، جو اپنے ماتحتوں کے ساتھ بیٹھ کر دال روٹی کھانے میں بھی کوئی عار محسوس نہیں کرتے، جو غریب لوگوں کو دکھ درد میں دیکھ کر تڑپ جاتے ہیں اور ان کے مسائل حل کرنے کے لیے بے قرار رہتے ہیں، جو اپنی سرکاری ڈیوٹی کو بھی عبادت سمجھ کر انجام دیتے ہیں، جو دفتری اوقات میں اپنے ذاتی کام نمٹانا بددیانتی تصور کرتے ہیں، جو اپنے ماتحتوں کو بھی انسان سمجھتے ہیں، ان کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں اور عزت و احترام پاتے ہیں مگر ایسے افسران کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں۔

ہمارے ان افسران میں سے وہ جنھیں اپنے گھروں کے اندر سرکاری خدام کی سہولت حاصل نہیں، وہ گھر میں تمام کام خود کرتے ہیں، گھر کی صفائی کرتے ہیں، اپنے بستر خود بچھاتے ہیں، بازار سے سبزی اٹھا کر لاتے ہیں، حتیٰ کہ بےغم (بیگم) کے جوتے تک پالش کر دیتے ہیں مگر یہ جونہی اپنے سرکاری دفتر میں داخل ہوتے ہیں تو معذور بن جاتے ہیں۔ ان کا بس چلے تو استنجا بھی سرکاری خادم سے کرائیں۔

مگر اس میں ہوتی ہے خفت زیادہ

ہمارے ان اعلیٰ حکمرانوں اور افسران کو نہ اللہ کا کوئی خوف ہے، نہ قانون کا کوئی ڈر ہے، نہ ان کا ضمیر ملامت کرتا ہے، نہ انھیں ملک و قوم پر رحم آتا ہے، نہ ان غریب و لاچار پاکستانیوں پر انھیں کوئی ترس آتا ہے، جن کے خون پسینے کی کمائی پر وہ پل رہے ہیں۔ یہ معذور و مغرور حکمران و افسران جو اپنا دروازہ نہیں کھول سکتے، جو اپنے کمرے کی لائٹ آن یا آف نہیں کر سکتے، جو پانی کا گلاس اٹھا کر منہ کو نہیں لگا سکتے، جو فائل کا ورق نہیں الٹ سکتے، جو اپنی انا کے بتوں کو نہیں توڑ سکتے وہ پاکستان کو کیسے چلا سکتے ہیں۔ پاکستان کو تباہی کے دہانے تک لے جانے والے یہی معذور و مغرور لوگ ہیں۔ انقلاب اور تبدیلی کے داعیوں کو خود بھی اس مرض سے نکل کر، اس مہلک قومی مرض کا علاج تلاش کرنا ہوگا، تب پاکستان میں تبدیلی آئے گی، تب پاکستان ترقی کرے گا، تب ہی پاکستان ایک حقیقی فلاحی اور اسلامی ریاست بن سکے گا۔